کلامِ طالبؔ

معروف

بہ

[illegible]

مصنّفہٗ

طالبؔ کاشمیری

سنہ ۲۰۰۹ بکرمی مطابق سنہ ۱۹۵۲ء

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں یو۔پی۔ انڈیا

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

* طالب کاشمیری *

تمہید

آج سے تقریباً پچیس سال پیشتر میرے ناچیز مجموعہ کلام کا پہلا حصہ معروف بہ "رشحات التخیل" نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا تھا۔ یہ میری خوش نصیبی سمجھئے یا علم دوست حضرات کا حُسنِ ظن کہ اُسے عام طور پر پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا۔ بعض نامور شعراء اور اہل ادب[1] نے قدر دانی سے کام لیتے ہوئے جو کچھ اسکی تعریف میں لکھا اسکے متعلق میں اسکے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ غالباً اُنکو میری حوصلہ افزائی منظور تھی۔ ملک کے مشہور اہل قلم حضرات اور معیاری ادبی رسائل کے مدیروں نے جن غیر متوقع تعریفی الفاظ میں اس پر تبصرے لکھ کر اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اسکے لئے میں اُن کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس مجموعہ کے شائع ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد بعض ناشران کتب اور مالکان مطابع نے اصرار کیا کہ اس کا دوسرا ایڈیشن مزید اضافہ کے

---

[1] ان حضرات میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:۔
حضرت برق دہلوی مرحوم، پنڈت جگیست لکھنوی مرحوم۔ لالہ سری رام دہلوی مرحوم مولف "خمخانہ جاوید"، علامہ سیماب اکبرآبادی مرحوم، ڈاکٹر مولوی عبدالحق سکریٹری انجمن ترقی اُردو، جسٹس سر عبدالقادر مرحوم، خواجہ عشرت لکھنوی مرحوم۔ منشی ملوک چند محروم
چودھری خوشی محمد ناظر مرحوم　(والب)

ساتھ شائع کیا جائے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ مکروہاتِ روزگار اور حالاتِ ناسازگار نے مجھے اسقدر سراسیمہ اور پریشان خاطر بنا دیا کہ میں آج تک اُنکے ارشاد کی تعمیل کرنے سے معذور رہا۔ سب سے بڑا صدمہ جس سے میں نہایت ہی افسردہ دل ہوا اور جس نے مجھے دنیا سے بیزار کر دیا میرے لختِ جگر اور فرزندِ عزیز موتی لال جی کی بیوقت موت تھی جو ۲۹ اگست ۱۹۳۵ء کو واقع ہوئی[1] اس وجہ سے نہ تو میں آجتک کلام کے حصّہ اول کی دوسری اشاعت کا انتظام کرسکا اور نہ موجودہ مختصر مجموعے کے اوراقِ پریشاں کو ترتیب دیکر شائع کرانے پر آمادہ ہوسکا۔

یہ مجموعہ معدودے چند نظموں کے سوا (جو حال میں ہی کہی گئی ہیں) فقط اُن نظموں پر مشتمل ہے جو ابتدائی مجموعے کی طباعت کے بعد چار پانچ سال کے دوران میں کہی گئی تھیں اور اگرچہ قریب قریب یہ سب نظمیں مختلف رسالوں میں وقتاً بہ وقتاً چھپ چکی ہیں کتابی صورت میں وقت پر پیش نہ ہو سکیں۔

گزشتہ کم و بیش بیس پچیس برس میں جو انقلابِ عظیم دنیائے شعر و سخن میں رُونما ہوا سخن سنج اور دقیقہ شناس حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ اس اثنا میں سیاسی اور اقتصادی حالات میں جو حیرت انگیز تبدیلیاں عمل میں آئیں اُن کا اُردو ادب پر بھی اثر انداز ہونا ایک قدرتی امر تھا۔ موجودہ دور میں

---

[1] اس سانحۂ جانکاہ سے متعلق اسی مجموعے میں ایک نظم "مرثیہ فرزند" کے عنوان سے درج ہے (طالب)

جو موضوعات شعراء کی طبع آزمائیوں کا جولانگاہ بنے ہوئے ہیں اور جو رجحانات اور انقلاب خیز نتائج افکار اُن کے جذبات کے حامل ہیں اور جس ڈھنگ سے یہ ہماری نظروں کے سامنے آجاتے ہیں اُن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اُس وقت اور موجودہ زمانے کی شاعری کے مفہوم میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہوا ہے۔ کسان کی حالتِ زار سے ہمدردی، مزدور کی حمایت میں تگ و دو، سرمایہ داری کے خلاف جہاد، تلقینِ مساوات۔ اشتراکیت اور اسی قسم کے دیگر مضامین عام طور پر آج کل کے شعراء کے سر مشق ہیں بلکہ میدانِ سخن میں نام پیدا کرنے کے لئے ضروری سمجھے جاتے ہیں۔ یہ تفاوت نہ صرف ذہنی رجحانات، تنوع مضامین اور خیالات ہی میں نمایاں ہے بلکہ صنائعِ شعر میں مستعمل اسالیب جدیدا اور اختراعی تراکیب کی ساخت و پرداخت میں بھی جلوہ گر ہے۔ گزشتہ چند سال سے جو کتابیں اس قسم کے موضوعات پر شائع ہوئی ہیں اور "ترقی پسند ادب" کے پردے میں جو کچھ رطب و یابس آج کل کے رسالوں میں نظر سے گزرتا ہے اُس کے مطالعہ سے یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ یہ ادبی انقلاب جو تقاضائے زمانہ اور بدلتے ہوئے ماحول کے زیرِ اثر ناگزیر تھا جہاں کہیں قابلِ قدر جذبات و افکار کی ترجمانی کر رہا ہے وہاں اس کا ایک ضرر رساں پہلو بھی نمودار ہوا ہے وہ یہ کہ اسکی آڑ میں با استعداد شعراء کے ساتھ بعض متشاعر اور تُک بند بھی میدانِ شعر و ادب

میں بے تحاشا گھُوڈ پڑنے کا موقع پا گئے اور باقافیہ و بے قافیہ یا معرّا نظموں یا نظم نُما عبارات میں تصنّع آمیز واردات بیان کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حال میں بہم پہنچائے ہوئے لٹریچر کا بیشتر حصّہ اصلی جذبات کا مرقع ہونے کی بجائے اکثر سطحی ہنگامہ آرائی کا آئینہ دار ہے۔ اس افراط و تفریط کے طوفان بے تمیزی کے باعث عوام میں اصلی اور نقلی شاعری میں امتیاز کرنے کی اہلیت مفقود دکھائی دیتی ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بہی خواہانِ زبان اُدب اُردو اس طوفان کو روکنے کے معاملے پر سنجیدگی سے غور کریں۔

چونکہ یہ ناچیز مجموعہ مقابلتہً پرانے رنگِ سخن کا نمونہ ہے اور طویل تعویق اشاعت کے باعث بہت دیر سے آپ کے سامنے آرہا ہے مجموعی طور پر اس قسم کی انقلابی شاعری سے عاری نظر آئیگا۔ میں اس امر کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ اپنے رنگ میں بھی استادانِ فن کے خیالات اور طرز ادا کے مقابلے میں اسکی چندان وقعت نہیں لیکن محض اس خیال سے کہ اس رنگِ سخن کو بھی اُردو ادب میں ایک جگہ حاصل ہے اور زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ انقلاب پزیر ہونیکے باوجود شاید اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا میں نے اپنے مہربان مولوی حمید الدین پروپرائٹر نظامی پریس بدایوں کی اس تجویز کے سامنے سر تسلیم خم کیا کہ اسکو ضائع نہ ہونے دوں اور شائع کرا کے محفوظ کروں۔ ورنہ مجھے اسبات کا پورا احساس ہے کہ اکثر احباب اور خصوصاً دلدادگانِ "ترقی پسند ادب" اس وقت

ایسے مجموعے کی پیشکش کو بے وقت کی راگنی سے منسوب کرینگے۔

جن رسائل و اخبارات میں یہ نظمیں وقتاً فوقتاً شائع ہوئی ہیں ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں :۔ "آج کل" دہلی، "ادبِ لطیف" لاہور، "ادبی دنیا" لاہور، "انتخاب لاجواب" لاہور، "انقلاب" لاہور، "بہارِ کشمیر" لاہور، "پیمانہ" آگرہ، "چمنستان" امرت سر، "چندن" لاہور، "خدمت" سری نگر، "دھواندھر" لکھنؤ "رنبیر" جموں، "ریاست" دہلی، "زمانہ" کانپور، "سدا بہار" لاہور، "سروش" لاہور، "شاعر" آگرہ، "شاہکار" لاہور، "مان سرور" لاہور، "ملاپ" لاہور، "ہمدرد" سری نگر۔

پہلے مجموعۂ کلام "رشحات التخیل" پر قبلہ علامہ کیفی دہلوی نے دیباچہ تحریر فرمایا ہے۔ موجودہ مجموعے پر ملک کے مشہور شاعر اور ادیب جناب ضیاء احمد صاحب بدایونی ایم۔اے پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے مقدمہ قلمبند کرنے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے۔ میں اُن کے بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتا میرے پاس اُن کی اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں خاص کر اس لئے کہ مجھے پروفیسر صاحب موصوف کا شرفِ نیاز بھی حاصل نہیں ہے میں مولوی احید الدین صاحب بدایونی کا ممنون ہوں جن کی وساطت سے میری یہ دلی مراد پوری ہوئی۔ چونکہ میرے ان دو مجموعوں کے رنگِ سخن اور اندازِ بیان میں قریب قریب ایک ہی زمانے سے متعلق ہونے کے باوجود

کسقدر فرق پایا جاتا ہے میں اس اشاعت میں یہ دونوں تحریریں شامل کر رہا ہوں جو بجائے خود دو ادبی مقالوں کی حیثیت رکھتی ہیں تاکہ قارئین دونوں استادوں کے اظہارِ خیالات سے لطف اندوز ہوں۔

زندگی نے وفا کی تو موجودہ حالات اور بدلے ہوئے ماحول کے زیرِ اثر جو کچھ میں نے رنگِ جدید میں کہا ہے یا مستقبل قریب میں کہوں گا ...... انشاء اللہ تیسرے مجموعے کی صورت میں پیش کیا جا سکیگا

طالب کاشمیری

سری نگر
۱۲ر مارچ ۱۹۵۲ء

دیباچہ کلام طالب حصہ اول معروف بہ "رشحات التخیل"

اُردو بھی اہل ہند کی معاشرت کے اور صیغوں کے ساتھ معرض تغیر د اصلاح میں ہے۔ یہ کس نتیجے پر پہنچینگے۔ ان کا کیا حشر ہوگا۔ آیا ہم بہتری کی طرف جا رہے ہیں یا ابتری کی جانب۔ یہ ایسے سوال ہیں جن کا جواب انسانی پیش بینی اور مادی فراست سے بالاتر ہے۔ ہمارا روئے سخن اس وقت اُردو زبان یا اُردو شاعری کی طرف ہے۔ کیا بہ اعتبار ایک بھاشا کے اور کیا بہ اعتبار لٹریچر کے اُردو کی توسیع روزافزوں ہے یہی نہیں بلکہ اس کی لُغات دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ خیالات کا تنوع تخیل کی بلند پروازی، حقیقت نگاری، فسانہ پردازی، مظاہرہ احساس طرازی کے اسلوب کی طرز اور انشا کے اصول میں بھی تغیر عظیم واقع ہوا ہے اور ہو رہا ہے جن کا ذکر اس مقام پر ضرور نہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پرانے نمونے اب محض ادبیات قدیمہ کی الماری کی زینت بن گئے۔ نصیر کی سنگینی، ذوق کی فصیح بیانی اور معنی آفرینی، مومن کی نازک خیالی، ناسخ کی شوکت بیانی، حسن کی سلیس نگاری اور نسیم کی مرصع کاری آج کل کے شعراء کے سر مشق نہیں۔ اساتذہ سلف میں سے دو

کے کلام کو اسوقت پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک مرزا غالب ہیں اور دوسرے شاہ نظیر۔ اس بیان کا تعلق غزل کے سوا اور اصناف شعر سے ہے پرانی چال کی غزل پر کم و بیش تمام ملک میں داغ کا رنگ حاوی و مسلط ہے۔ متین موضوع پر جو غزلیں لکھی جاتی ہیں وہ زیادہ تر غالب کو آگے رکھ کر لکھی جاتی ہیں اگرچہ قسم اوّل میں نسیم دہلوی اور شیفتہ کا پرتو بھی جھلکتا ہے۔ غزل کے علاوہ اور کلام منظوم پر نظر ڈالی جائے تو زیادہ تر غالب کے پیرو ملیں گے۔ اگرچہ غالب کے ہاں صرف غزلیں اور چند قصائد ہی ہیں۔ شاہ نظیر کے ہاں دال بیجی کا خوانچہ ہر وقت تیار ملتا ہے جس کی گرما گرم اور چٹ پٹی اجناس کے آگے ہر کوئی اپنی جھولی پسار دیتا ہے۔ اگرچہ مومن کا ترکیب بند مرثیہ جو نظیری کے ہم مضمون ترکیب بند کو دیکھ کر لکھا گیا تھا اور نظیر کے متعدد ترکیب بند برابر پڑھے جاتے تھے لیکن ترکیب بند کو اُردو میں خواجہ حالی نے پھر تازہ کیا جسطرح میر انیس اور مرزا دبیر نے مسدّس کو قصیدے کے برابر کر دیا اسی طرح خواجہ حالی نے ترکیب بند کو اس کے برابر لا بٹھایا۔ لیکن اب ترکیب بند میں حالی کا اسلوب رنگ طرازی نہیں کرتا۔ یہ تذکرہ یہاں اسلئے آیا کہ طالب کا کلام ان اساتذہ کے کلام سے پرتو پذیر اور بہرہ اندوز ہوا ہے۔

جس شخص کے ساتھ ادبی تعلق ہو اُس کے کلام کا تبصرہ بہت سی

مشکلات کا مولد ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ وہ پرانی وضع کی نذر ہو جاتا ہے اور کبھی یہ کہ پوری داد سے محروم رہتا ہے جس کا موجب از بس احتیاط ہوتی ہے با ایں ہمہ میرے خیال میں متعلقاتِ ادبی اس کا حق فائق رکھتے ہیں کہ اُنکے کلام پر نظر ڈالی جائے۔ پنڈت نند لال کول طالب انگریزی، فارسی اور اُردو میں درجۂ فضیلت رکھتے ہیں۔ اُن کی فضیلت سندی ہے کیونکہ وہ ایم۔اے۔ایم۔او۔ایل منشی فاضل اور ادیب فاضل[1] کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں۔ لواحقات کو مدِ نظر رکھا جائے تو آپ انھیں ملا طاہر غنی مرحوم کا ہم وطن پائینگے۔ اہل خطہ کی تاریخی ذہانت اور فطانت کا اُن کو پورا موروثی حصہ قدرت سے ملا ہے۔ ستھرا چلن اور سلامت روی، انکسار، عالی ہمتی، اور سادہ مزاجی ان کے شعار کے جزو اعظم ہیں۔ مزاج تبختر سے معرا مگر استقامت سے مجلا ہے۔ حالانکہ نوجوان ہیں لیکن طبیعت جوش وخروش سے بیگانہ ہے۔ ہمدردی اور جوانمردی ان کے آب و گِل میں ہے۔ یہ اہلیت، یہ سلیم المزاجی اور رنگینیِ اخلاقی ان کے اکثر ہم عمروں میں پائی نہیں جاتی۔

اگر بعض محاسن اس مرقع سے خارج ہیں تو وہ ان کے کلام سے

---

[1] اردو زبان دانی کا اعلٰے ترین امتحان جو پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت ہوتا ہے۔
(کیفی)

بھی خارج ہیں یا کہیے اس سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے۔ چنانچہ انکی نظموں میں چہل پہل، چھیڑ چھاڑ، دھوم دھام، ولولہ انگیزی، تعلّی اور مبالغہ اور بدلیعات اور لفظی مراعات (فرمائیے تو سننی خیزی بھی کہدوں) کم ملیں گے جس طرح طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی ہے اسی طرح کلام میں بھی جامعیت موجود ہے۔ ایک مابہ الامتیاز یہ ہے کہ طبیعت چونکہ سلامت روی اور متانت کا جامہ پہنے ہے کلام میں قاعدے کی پابندی بدرجۂ اتم مدنظر رہتی ہے اور یہ سب سے بڑا وصف ہے۔ طالب کے کلام سے نظری سبق اس امر کا ملنا چاہیئے کہ اصول اور قاعدے کی پابندی ملحوظ رکھتے ہوئے ہر صنف شعر میں اور ہر موضوع پر نظم کہہ سکتے ہیں۔ انوکھی بندشوں، غرابت، ثقیل لغات پیچیدہ اسلوب اور ژولیدہ بیانی سے ان کا کلام پاک ہے۔ اس میں ایک نقص پرگوئی ہے بعض نظمیں اور ترکیب بندوں کے بعض بند بے تحاشا لمبے ہوجاتے ہیں۔ اس سے کلام کی چستی جاتی رہتی اور تکرار کا نقص عائد ہوجاتا ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ یہ نقص زیادہ مشق اور پختگیٔ خیال سے خود رفع ہوجائیگا۔

ناظرین کو تعجب ہوگا کہ ایک شخص وادیٔ کشمیر میں پیدا ہوکر اور وہیں رہ کر کیونکر ایسی ستھری اُردو لکھ سکتا ہے۔ یہ شخصیت اور یہ کلام بلند آواز سے اُردو کی آئندہ حالت کی پیشگوئی کرتے ہیں یعنی کہ اُردو

اب وہ زبان نہیں رہی جس کے چلن کو مقامی ٹکسال کی احتیاج ہو جب ایک زبان اپنے مولد و منشا سے نکل کر دور دراز کیا دُور اُفتادہ مقامات میں جا کر سر سبز اور بار آور ہو سکے تو اس کی درازی عمر اور تشخص ذاتی کی نسبت کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ جمنا اور گومتی کے لئے فخر کا مقام ہے کہ ان کی موجیں وتستا کے سر پر اٹھکھیلیاں کر رہی ہیں۔ ان کی گنگا جمنی رنگ آمیزیاں ولر اور ڈل کے شفاف آئینوں پر عکس افشاں ہیں امر بیتوں کی دلاویز ہوائیں نسیم باغ کے جھونکوں سے پینگ بڑھا رہی ہیں اور جھرنے کی بہار نشاط باغ اور شالامار کی سرجیون آبشاروں سے سُر ملا رہی ہے۔ طالب چاہے ناراض ہی کیوں نہ ہوں میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اُن کا اُردو میں ایسا اچھا شعر کہنا اتنا تحسین کے قابل نہیں جتنی آفریں کے قابل اردو کی دلاویز قابلیت، جذباتی استعداد اور عالمگیر ذاتی مناسبت ہے کہ دہلی سے چل کر ہری پربت کے دامن پر اپنی دلاویزی کا رنگ جما دیا۔ یہ آثار اُردو کے لئے نہایت اطمینان بخش ہیں۔

طالب کے کلام میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر طرز میں اپنا رنگ جما جاتے ہیں۔ اپنے وقت پر وہ یقیناً صاحب طرز مانے جائینگے احساسات قلبی کی تصویر کھینچنے میں ان کو کمال کا درجہ حاصل ہی ہی

حال حقائق نگاری کا ہے، مناظرِ قدرت کا جیسا سچّا اور دلکش نقشہ کھینچے ہیں تعریف کے قابل ہے۔ حُبِّ قومی کی ٹھیس بھی ان کے دل کو لگ چکی ہے لیکن سلیم المزاجی حدِ اعتدال سے بڑھنے نہیں دیتی مجاز میں جو کلام ہے اور وہ تھوڑا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کوچے سے ذاتی واقفیت نہیں۔ اس کے زُلفِ مسلسل سے زیادہ خم بہ خم اور بھول بھلیّاں جیسے رستوں سے نابلد ہیں۔ پھر بھی اس حصّہ کلام میں ایک سُہانا بھولا پن اور سادہ دلاویزی پائی جاتی ہے۔

زبان کی درستی اور محاورے کی صحت اس درجے کی ہے کہ ایک اہلِ زبان کے کلام میں اور صاحب کے کلام میں فرق کرنا مشکل ہے۔ کسبی محاسن میں ضرور ترقی کی گنجائش ہے جو اُمید ہے کہ اپنے وقت پر ہو جائیگی۔

مجھے امید ہے کہ ہندوستان میں یہ کلام نہایت دلچسپی سے پڑھا جائیگا اور مقبول ہوگا۔

برجموہن دتاتریہ کیفیؔ دہلوی

جموں

۴ر فروری ۱۹۲۵ء

۷۸۶

مقدمہ

عمر لیست کہ بلبل بہ چمن نغمہ سرا لیست ؛؛ نہ نیست دریں باغ مگر باد صبا را

اہلِ سیاست اپنی ذاتی اغراض کے پیشِ نظر جو چاہیں کہیں لیکن یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہی کہ اُردو ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہی جو بقولِ سرتیج بہادر سپرو نا قابلِ تقسیم ہے۔ یہ امر نہ صرف خواص بلکہ عوام کو بھی معلوم ہے کہ اردو ہندوستان ہی کی ایک قدیم زبان (کھڑی بولی) سے نکلی ہے اور اُس کی جڑیں ہماری تہذیب اور تمدن میں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر زندہ زبان کی طرح مختلف اوقات میں بدلتے ہوئے ماحول کے اثر سے اس میں تغیّرات ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی آمد پر اُس نے فارسی و عربی الفاظ اور انگریزوں کے آنے پر انگریزی الفاظ کا خیر مقدم کیا اور ان کو محبّت سے اپنے دل میں جگہ دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ الفاظ آج

اردو ہی کا سرمایہ سمجھے جاتے ہیں۔ سید انشاء نے دریائے لطافت میں کتنی پتے کی بات کہی ہے کہ فارسی و عربی کے جو الفاظ اپنی اصل سے ہٹکر مختلف شکل یا مختلف معنی میں اُردو کے اندر رائج ہو چکے ہیں اُن کی اصلی ہیئت پر اصرار کرنا غیر مناسب اور اُن کو اُردو ہی کی ملکیت جاننا واجب ہی۔ یہی اصول ہندی اور سنسکرت کے شبدوں میں بھی کارفرما ہی۔ مثلاً ورشا، وارتا، کشیر، برہمن وغیرہ کی نکھری ہوئی شکل اُردو میں برسات، بات، کھیر، برہمن ہے جو خوش آیند اور فصیح تر ہے۔

ہر زبان کے کلمات اسم، فعل اور حرف پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اُردو کے سرمایہ پر نظر ڈالیئے تو آپ پائینگے کہ اُس کے فعل و حرف پچانوے فیصدی ہندی الاصل ہیں۔ اسما میں ضرور پچاس فیصدی فارسی و عربی کا عنصر شامل ہی جسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ اُن تمدّنی اشیا کے نام ہیں جو مسلمان اپنے ساتھ لائے اور جن کے لئے کوئی بدل مقامی زبانوں میں موجود نہ تھا۔ یا قدیم ہندی لفظ میں ثقل اور کرختگی تھی جس کے باعث وہ لفظ قدرتی موت مر گیا اور اس کی جگہ فارسی یا عربی لفظ نے لے لی۔

تاریخ اور لسانیات کے طلبہ واقف ہیں کہ یہ زبان نہ ہندوستان سے باہر کہیں بولی جاتی تھی نہ مسلمان اس کو باہر سے لائے۔ نہ یہ کبھی یہاں کی سرکاری زبان رہی۔ یہ دراصل عوام ہندو مسلمانوں کی زبان تھی جس کو

انھوں نے اپنی ضرورت کے مطابق تراش خراش کرکے ایک عمدہ سانچے میں ڈھال لیا۔ ورنہ اہل علم تو تصنیف وتالیف کے کاموں میں عموماً سنسکرت یا فارسی و عربی استعمال کرتے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ مسلمانوں نے اس کی ساخت و پرداخت میں نمایاں حصّہ لیا۔ اور مسلمان شاعروں اور نثر نگاروں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہی مگر یہ بھی حقیقت ہی کہ اس سلسلے میں ہندو بھائیوں کی خدمات بھی کافی اہم ہیں۔ انھوں نے تن، من، دھن سے اس پودے کو پروان چڑھایا اور اُن کی اَن تھک کوششوں سے آخر یہ برگ و بار لایا۔

اُردو شعرار کے تذکرے اٹھاکر دیکھ جائیے۔ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو ہندو شعرار کے نام بھی آپ کو بکثرت ملینگے۔ یہ امر خاص طور پر قابل غور ہے کہ مسلمان تذکرہ نگاروں نے اُن کا ذکر نہایت محبت واحترام سے کیا ہے۔ میر تقی، میر حسن، مصحفی وغیرہ کی تصانیف کو پڑھ جائیے ہمارے دعوے کی تصدیق ہوجائیگی۔ اوّل تو وہ عہد تعصب اور فرقہ پرستی کی وبا سے پاک تھا۔ پھر ادب کی فضا خاص طور پر صلح کل کی فضا تھی جسمیں کہیں اُستاد مسلمان تھا اور شاگرد ہندو جیسے خان آرزو کے شاگرد رائے آنند رام مخلص۔ کہیں اُستاد ہندو تھا اور شاگرد مسلمان جیسے رائے سرب سنگھ دیوانہ کے تلامذہ میر حیدر حیراں اور حسرت (اُستادِ جرأت)

میر وغیرہ نے جس فراخ دلی اور شائستگی سے ہندو شعراء کا تذکرہ کیا ہے وہ آج بھی ہم سب کے لئے سبق آموز ہے۔ چند نمونے سنئے۔ میر صاحب بڑے دماغ دار ہیں لیکن ٹیک چند بہار کی نسبت فرماتے ہیں۔ "مرد مستعدے ست از یاران سراج الدین۔ صاحب تصانیف بسیار۔ دماغ تفصیل ندارم۔ برہمن رنگیں۔ بہار سخن از لفظ لفظش ہزار ہزار رنگ معنی گل میکند۔ با فقیر آشنا ست" میر حسن کی شہادت رائے سرب سنگھ دیوانہ کے متعلق سننے کے قابل ہے "شاعر زبردست فارسی ست۔ شعر بسیار گفتہ است۔ استادِ ریختہ گویاں لکھنؤ چنانچہ میاں حسرت و میر حیدر علی حیران و اکثر دیگراں شاگرداں دہند۔ در آنجا مشہور و معروف است۔ در اوائلِ مشق فکر ریختہ ہم میکرد۔ عجب شخصے ست۔ خدا سلامتش دارد" اسی طرح مصحفی کی عبارت راجہ جسونت سنگھ پروانہ کے حال میں ملاحظہ ہو۔ "جوانے خلیق و ذی شعور است مشقِ او بسیار رسا و ریختہ گردیدہ .... ایں ہم خوبیٔ اوست و الّا شاعریش از ہیچ صاحب طبیعتے در مرتبہ کمی نیست" اوپر کے حوالوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ باکمال دوسروں کے کمال کے اعتراف میں کبھی تعصب اور تنگ نظری کو دخل نہ دیتے تھے اور در اصل عطر محبت کی یہی شمیم انگیزیاں تھیں جن سے ہندوستانی سماج صدیوں تک معطر رہا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اردو کی تعمیر میں برادرانِ وطن کا حصہ مسلمانوں

سے کسی طرح کم نہیں ہی۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں ہم یہاں مختلف تذکروں سے ہندو شعرا کے ناموں پر اکتفا کریں گے یعنی نکات الشعراء میر تقی۔ آنند رام مخلص، رسوا، لالہ ٹیک چند بہار، بندرابن راقم، عشاق۔

تذکرۂ شعرائے اردو میر حسن۔ رائے پریم ناتھ، ٹیک چند بہار، سنتوکھ رائے بیتوا، سیا ناتھ سنگھ، رائے سرب دیوانہ، لالہ گھاسی رام خوشدل، بندرابن راقم۔ ہلاس رائے رنگین، خوشوقت رائے شاداب، بھکاری داس عزیز، فارغ، بدھ سنگھ قلندر لالہ کاشی ناتھ، آنند رام مخلص، راجہ رام نرائن موزوں عجائب رام منشی، لالہ نول رائے وفا۔

تذکرۂ ہندی مصحفی۔ راجہ جسونت سنگھ پروانہ، لالہ ٹیکا رام تسلی، لالہ بالمکند حضور، آفتاب رائے رسوا، لالہ کانجی مل صبا مجنوں، کنور سین مضطر، درگا پرشاد مضطرب، گنگا سنگھ نادر اگر کوئی شخص تمام تذکروں کا استقصا کرنا چاہے تو بے شبہ ہزاروں ناموں کی ایک طویل فہرست تیار کر سکتا ہی۔ اگر اس میں ماضی قریب اور زمانۂ حال کے چند ممتاز ہندو شعراء کے نام بڑھا لئے جائیں تو یہ فہرست کمیت و کیفیت کے اعتبار سے اور دقیع

ہو جائیگی۔ مثلاً سرشار، برق، شاد، نظر، سرور، چکبست، رواں، ساحر، شوق، کیفی، طالب، جوش، محروم، وحشی، جگر، فراق، ملا، عرش، تاجور، سحر، منور، بسمل، آزاد وغیرہم

شمالی ہند خصوصاً دہلی اور یو۔پی کو اردو شعر و ادب کے سلسلے میں جو مرکزی حیثیت حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس علاقے کو چھوڑ کر خطۂ جنت نظیر کشمیر اس خصوص میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔ کشمیر کے سر بہ فلک پہاڑوں، نظر فریب آبشاروں، لہلہاتے سبزہ زاروں اور گنگناتی جوئباروں ہی کے مناظر تو تھے جن کو دیکھ کر عرفی بے ساختہ پکار اٹھا تھا۔

زیبائی کشمیر گرش باعث عشوہ ست
من می خرم از زال فلک عشوہ گر آید

یہ حقیقت ہے کہ قدرت کی بے دریغ فیاضیوں نے اس قطعۂ ارض کو عروس البلاد بنا دیا ہے۔ اس لئے کوئی تعجب نہیں اگر کشمیر کے فرزند اپنی غیر معمولی ذہانت و فطانت اور دل و دماغ کی اعلیٰ صلاحیت میں فخر روزگار ہوں۔ کون نہیں جانتا کہ پنڈت نہرو، سر سپرو ملا غنی، علامۂ اقبال، مرزا عزیز، آغا حشر اسی خاک پاک سے اٹھے ہیں۔ کشمیر کے ہندو شعرا فارسی و اردو کی خدمت میں ہمیشہ سے

ممتاز رہے ہیں۔ چنانچہ فارسی شعرا میں برہمن، بہار، بیخود، خوشدل، درویش، دبیری، زیرک، ساحر، سرور، صبر، ضمیر، فرخ، مبتلا، نیکو، وارستہ اور اردو سخنوروں میں ابر، بیدل، چکبست، رعنا، ساقی، سرشار، سعد، شاکر، شوق، طالب، کیفی، گلشن، ملا، نسیم، ہجر کے کارنامے رہتی دنیا تک یادگار رہینگے

زیرِ نظر مجموعہ "مرقعِ افکار" بھی کشمیر کے ایک لائق اور ذی علم پروفیسر پنڈت نندلال صاحب کول طالب ایم۔ اے کی منظومات پر مشتمل ہے۔ جسمیں طالب صاحب نے نیچرل، تخیلی، جذباتی، قومی، سیاسی اور مذہبی غرض مختلف موضوعوں پر اظہارِ خیال کیا ہے طالب صاحب ایک خوشگو اور کہنہ مشق شاعر ہیں جن کا ایک مجموعۂ اشعار آج سے ۲۵ سال پہلے شائع ہوکر قبولِ عام حاصل کرچکا ہے۔

موجودہ مجموعے کو اوّل سے آخر تک پڑھنے کے بعد جو تاثرات ہمارے ذہن میں پیدا ہوئے حسبِ ذیل ہیں:۔

(الف) طالب صاحب کو شعر سے فطری ذوق اور طبعی مناسبت ہے کسی داخلی یا خارجی محرک کے بروئے کار آتے ہی اُن کا ذہن اُنکو تخیل کی وادیوں میں رہبری کرتا ہوا شعر کی دنیا میں پہونچا دیتا ہے جس کا نتیجہ اُن کی نظمیں ہوتی ہیں۔ یہ نظمیں کبھی نوروز، بسنت، بہار

شفق، قوسِ قزح سے متعلق ہوتی ہیں۔ کبھی شکوۂ دوست، نامۂ محبوبا جلوۂ دلدار سے۔ کبھی نور جہاں اور غالب اُن کا موضوعِ فکر ہوتے ہیں کبھی سہری کرشن اور جنم اشٹمی۔ اور کبھی کشمیر کے قومی اور ملی مسائل اور جو کچھ وہ کہتے ہیں خود محسوس کر کے کہتے ہیں۔

(ب) اُن کے کلام میں تخییل کا عنصر کافی ہے جس نے موقع موقع سے نئی دلکش تشبیہوں کا چمن کھلا دیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان لطیف تشبیہات کا سر رشتہ اُن کے جنت نظیر اور فردوسِ نظر وطن کے ماحول سے جا ملتا ہو۔ لیکن خود ان کی باغ و بہار طبیعت کی گل کاری کو اس میں خاص دخل ہے۔

از بسکہ خاطرِ ہوسِ گل عزیز بود
خوں گشتہ ایم و باغ و بہارِ خودیم ما

چند مثالیں ملاحظہ ہوں

شفق

محوِ آرائش عروسِ نو بہارِ شام ہے
گنبدِ اخضر پہ عکسِ ارغواں ہے نور پاش

موج زن خونِ تمنائے دلِ ناکام ہے
ہے مئے احمر کا مینائے فلک میں ارتعاش

بر قعِ تاریک میں
پردۂ باریک میں

قوسِ قزح

ہی بحرِ مواج میں تلاطم بکھر رہی ہے ہوائے دلکش
سنور رہی ہی کوئی دوشیزہ ادا سے اوڑھے ردائے دلکش
کنارِ ہستی میں آب جو ہے ضیائے خورشید سے منوّر
کہ عالمِ رنگ میں تبسم سے ہے کسی کے فضا معطّر
ہے اِس میں وہ طرزِ کج ادائی نہیں ہی حد و حساب جسکا
ملے خمیدہ کمانِ ابروئے یار میں کیا جواب اس کا
یہ فکرِ اہلِ نظر میں ہالہ ہے کرشن کے روئے دلنشیں کا
پریمیوں کے گماں میں حلقہ ہی حسن کے موئے عنبریں کا

اسی طرح "سورج کی پہلی کرن" کی تشبیہات بھی اپنے رنگ میں خوب ہیں۔

(ج) اُن کے یہاں لطیف جذبات اور نازک احساسات کی فراوانی ہی۔ خصوصاً انھوں نے اپنے ہونہار عزیز فرزند کی موت پر جو مرثیہ لکھا ہی اس قدر پُر تاثیر ہی کہ کوئی شخص اس کو چشمِ پُر نم کیے بغیر نہیں پڑھ سکتا۔

تحقیقِ حالِ نازنگہ می تواں نمود
حرفے زحالِ خویش بہ سیما نوشتہ ایم

پوری نظم کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں اور ایک دو بندوں سے پورا مرقع سامنے نہیں آتا۔ تاہم مالا یدرک کلّہ لا یترک کلّہ چند شعر سنئے

چاہتا ہوں کہ نمایاں غمِ پنہاں ہو جائے
ترجمانِ غمِ دل خاطرِ سوزاں ہو جائے
لذّتِ شورشِ وحشت نمک افشاں ہو جائے
ٹکڑے دامن کے اُڑیں، چاک گریباں ہو جائے

اک کشش کھینچے ہوئے مجھکو لئے جاتی ہے
کان میں کھوئی ہوئی کوئی صدا آتی ہے

کھا گئی کس کی نظر تجھکو مری جاں ہے ہے!
ہو گیا تو نگہِ شوق سے پنہاں ہے ہے!
کیا سیہ روز ہوں میں کشتۂ حرماں ہے ہے!
دل کے دل ہی میں رہے سب ارماں ہے ہے!

رقّت انگیز نہ کیونکر ہو کہانی تیری
حیف صد حیف کہ دیکھی نہ جوانی تیری

نورجہاں اور غالب پر جو نظمیں ہیں اُنمیں بھی جذبات لطیف کی کمی نہیں (د) اُن کے خیالات میں پاکیزگی۔ اور انداز بیان میں ستھرا پن ہے۔ اور کسی جگہ بھی ابتذال اور سوقیت کا شائبہ نہیں۔ راقم کو

پروفیسر صاحب موصوف سے ذاتی طور پر نیاز حاصل نہیں ہے مگر اس قدر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی شاعری پر روحانی پاکیزگی کی جو فضا چھائی ہوئی ہے وہ اُن کی صوفیانہ طرز فکر کا نتیجہ ہے اور خیال کی وسعت اور انداز کی متانت اس کے قدرتی لوازم ہیں۔

(۸) طالب صاحب کا وطنِ مالوف کشمیر ہے جو دہلی، آگرہ، اور لکھنؤ سے کوسوں دور ہے لیکن یہ دیکھکر مسرت ہوتی ہے کہ اُن کو زبان اور بیان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ یہ ایک مزید ثبوت ہے اس امر کا کہ اردو کسی خاص صوبے یا طبقے کی ملکیت نہیں ہے۔ اُن کے کلام میں بیساختگی اور روانی کی افراط ہے۔ نظموں پر نظمیں پڑھ جائیے یہ گمان نہیں ہوتا کہ یہ ایک ایسے فرد کا کلام ہے جس کی مادری زبان کشمیری ہے۔ ممکن ہے کہ کافی احتیاط کے باوجود بعض خوردہ بین نگاہیں دیوان میں کسی جگہ زبان کا سُقم یا بندش کی سُستی محسوس کریں۔ لیکن لغزش سے کون بشر خالی ہے۔ واقعی اگر یہ نہ ہو تو انسان کو انسانیت کی حدود سے آگے بڑھنے کا حوصلہ ہونے لگے۔

مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے

تاہم یہ واقعہ ہے کہ دیوانِ مذکور مجموعی طور پر اُردو میں ایک اچھا اضافہ ہے۔ اور ہمیں توقع ہی کہ ہمارے ملک کے ادبی حلقوں میں اس کو عام مقبولیت نصیب ہوگی۔

زبان کا کلچر سے اور کلچر کا سوسائٹی کی زندگی سے جس قدر گہرا تعلق ہی اُس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں اُردو جو ہماری مشترکہ کلچر اور ہندو مسلم اتحاد کا امتیازی نشان ہی ایک مخصوص درجہ رکھتی ہی۔ ہمیں اُمید ہی کہ طالب صاحب کی طرح ہمارے وطن کے دوسرے وسیع النظر اور ہمدرد اصحاب بھی دیس کی موجودہ تاریک فضا کو دیکھتے ہوئے دُور دراز علاقوں میں اپنے امکان بھر اُردو کی مشعل روشن رکھیں گے اور اس عمارت کو جسے اُن کے بزرگوں نے پریم کی بنیادوں پر قایم کیا تھا برقرار رکھنے میں کامیاب ہوں گے۔

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

ضیاء احمد ایم۔اے
بدایونی
مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ
۱۲ مارچ ۱۹۵۲ء

پیغامِ نوروز

رات کا پچھلا پہر تھا، جلوۂ مہتاب تھا
شاعرِ خوشگو ابھی محوِ خمارِ خواب تھا
صبحِ خنداں جلوہ ہائے نو سے ہم آغوش تھی
دلنشیں انداز سے ساری فضا خاموش تھی

عرش سے اُترے فرشتے نور برساتے ہوئے
فرش والوں کی تمناؤں کو گرماتے ہوئے
اہتمامِ سالِ نو میں لے کے پیغامِ نشاط
آئے اور عالم پہ چھائے بن کے نورِ انبساط

چپکے چپکے آ گئے شاعر کے مسکن کی طرف
بڑھتے بڑھتے بڑھ گئے اُس کے نشیمن کی طرف
پاسِ دلداری سے ہمدردی کا دم بھرنے لگے
رازدارانہ بہم سرگوشیاں کرنے لگے

کان میں شاعر کے جب الہام کی آئی صدا
جاگ اُٹھا، جائزہ ماحول کا لینے لگا

دیکھ کر نو واردوں کو محوِ حیرت ہو گیا
دم بخود سارہ کے منظر میں سراپا کھو گیا
بیخودی کا شاخسانہ تھی کشش الہام کی
یا مسرت قاصدِ نو روز کے پیغام کی
سحر تھا جادو تھا یا افسوں تھا اس آواز میں
آ گئی قوت تخیل کے پرِ پرواز میں
تن بدن میں اسکے دوڑی لہر اک سرعت کے ساتھ
انتشارِ قلب پر قبضہ کیا ہمت کے ساتھ
کھچ گیا چشمِ حقیقت بیں میں نقشہ قوم کا
گوشِ شنوا جس کے حال بد سے تھے نا آشنا
جوش دل میں آ گیا، جذبات میں جاں آ گئی
حالتِ کیف آفریں دیوار و در پر چھا گئی
ذرہ ذرہ میں بہارِ زندگی پیدا ہوئی
پیکرِ افسردگی میں جان سی پیدا ہوئی
ہو گیا عالم پہ طاری ارتعاشِ اضطراب
نغمۂ شاعر نے پیدا کر دیا اک انقلاب

بسنت

بسنت میں شگفتہ ہے حدیقۂ بہارِ گُل
چمن کی شاخ شاخ پر ہے جلوۂ نگارِ گُل
بھڑک اُٹھا شرارِ گُل

بھڑک اُٹھا شرارِ گُل ترنمِ نشاط میں
عجب مزے ہیں عندلیب و گُل کے ارتباط میں
سرور و انبساط میں

سرور و انبساط میں طیور نغمہ زن ہوئے
نظر نواز نو بہ نو گلوں کے پیرہن ہوئے
شجر بھی گلبدن ہوئے

شجر بھی گلبدن ہوئے ہے لالہ آج مے پرست
عروسِ نو بہار بھی مئے شباب سے ہے مست
خزاں ہے مائلِ شکست

خزاں ہے مائلِ شکست گُل کی آبِ ناب سے
اُبھر رہے ہیں ولولوں کی موج سے حباب سے
بہارِ لاجواب سے

بہارِ لاجواب سے ہیں رِند محوِ ہا و ہو
ہے ذرّہ ذرّہ چمن شگوفہ ریز شو بہ شو
مثال برق شعلہ رُو

مثالِ برق شعلہ رو شگفتہ لالہ زار ہیں
سُرور خیز گردنوں میں گلہ خون کی ہار ہیں
بہار پر نثار ہیں

بہار پر نثار ہیں جہاں کے صبر و ہوش بھی
فضا میں گونجنے لگی نوائے نا و نوش بھی
دلوں میں ہے خروش بھی

دلوں میں ہے خروش بھی ہوائے خوشگوار سے
بسنت کی رُت آئی ہے بہار کے دیار سے
ہر ایک اعتبار سے

ہر ایک اعتبار سے شگفتہ حسنِ یار ہے
نگاہِ انتخاب اب سکون در کنار ہے
بہ شانِ کردگار ہے

بہ شانِ کردگار ہے کہ جلوہ گاہِ ناز ہے
یہ مظہرِ جمال ہے کہ لطفِ کارساز ہے

یہ انکشاف راز ہے

یہ انکشافِ راز ہے شہود اور ظہور کا
ہے انعکاسِ سوزِ دل میں ارتعاش نور کا
نگاہِ شوق لڑ گئی درِ حریمِ ناز سے
دل و جگر اُچھل پڑے ہوائے سوزِ ساز سے

عالم مجاز

بہار میں شباب ہے شباب انتخاب ہے
نظر کی آب و تاب ہے کہ حسنِ لاجواب ہے
عذاب ہے ثواب ہے سکون و اضطراب ہے

یہ عالم مجاز ہے
کہ زندگی کا راز ہے

کبھی خوشی ہے دمبدم کبھی ہے عسرت و الم
کبھی ستم پہ ہے ستم کبھی ہے موجزن کرم
یہ شانِ عظمت و حشم یہ محفلوں میں جامِ جم

یہ عالم مجاز ہے
کہ زندگی کا راز ہے

یہ نجم زار آسماں — یہ رُودِ نورِ کہکشاں
یہ مہر و ماہ کا سماں — یہ منظرِ طرب فشاں
نظر فروز و ضو چکاں — کبھی عیاں کبھی نہاں

یہ عالم مجاز ہے
کہ زندگی کا راز ہے

عیاں کبھی شعور میں — بساطِ رنگ و نور میں
محافل و قصور میں — ترانۂ طیور میں
نگاہِ ناصبور میں — نمائشِ ظہور میں

یہ عالم مجاز ہے
کہ زندگی کا راز ہے
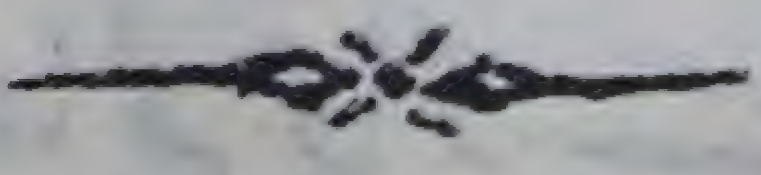
بہار

ساحت سبزہ زار میں — وجد میں رند ہیں تمام
دامنِ کوہسار ہے — منظرِ دلکشِ نشاط

منظرِ دلکش نشاط

دامنِ کوہسار ہے

صبح نشاط سے سوا شام ہی نظر فریب
گلشنِ شالامار ہے حاملِ حسن لاجواب
حاملِ حسنِ لاجواب
گلشن شالامار ہے

جنبشِ موجِ آب سے رقص کناں شعاع مہر
گردشِ آبشار ہے عالمِ انتشار میں
عالمِ انتشار میں
گردشِ آبشار ہی

سبزۂ صاف چرخ پر رنگ فروز ہی دھنگ
موسم خوشگوار ہے رحمت کردگار سے
رحمت کردگار سے
موسم خوشگوار ہے

رنگِ چمن ہی دلنشیں قدرتِ حق ہی آشکار
گل رُخ و گلعذار ہے غنچہ جو ہی شگفتہ رُو
غنچہ جو ہی شگفتہ رُو

گلرخ و گلعذار ہے

جلوہ فروز ہے کہیں طلعتِ حُسنِ جانفزا
آئینۂ نور بار ہے صورتِ نجم و مہ کہیں
صورتِ نجم و مہ کہیں
آئینہ نور بار ہے

حُسن کے اور عشق کے راز و نیاز دیکھئے
دل کی یہ جیت ہار ہے تابعِ قسمتِ ازل
تابعِ قسمتِ ازل
دلکی یہ جیت ہار ہے

مرکزِ نازِ دلربا خاطرِ عاشقِ حزیں
گلبن و شاخسار ہے بُلبُل و گُل کے واسطے
بُلبُل و گُل کیواسطے
گلبن و شاخسار ہے

شاخِ شجر ہے گلفشاں لعل اگلتی ہے زمیں
قدرتِ کردگار ہے دہر میں چارسو عیاں
دہر میں چارسُو عیاں
قدرتِ کردگار ہے

شفق شام

محوِ آرائش عروسِ نو بہار شام ہے
گنبدِ اخضر پہ عکسِ ارغواں ہی نُور پاش
موجزن خونِ تمنّائے دلِ ناکام ہے
ہے مۓ احمر کا مینائے فلک میں ارتعاش
برقعِ تاریک میں
پردۂ باریک میں

ساغرِ ہر ذرہ میں تاباں مۓ خوشرنگ ہی
یا فلک پر ہے یہ خوابِ صبح کی تعبیرِ نو
خونبہائے آرزوئے عاشقِ دلتنگ ہے
یا حدیثِ انفعالِ حور کی تفسیرِ نو
محفلِ عشاق میں
گلشنِ آفاق میں

قمقمہ ہے آسماں گویا گلابی رنگ کا
شام سندر کھیلتے ہیں پھاگ جمنا گھاٹ پر

لیلیٔ شب نے نکالا ہے کوئی گھونگھٹ نیا
دامنِ گلچیں بنے صحرا و وادی، دشت و در
موسمِ شاداب میں
نورِ عالمتاب میں

یا کسی محبوب کا ڈھلتا ہوا حُسن و شباب
منعکس ہے اپنے پردوں سے کنارِ جُوئبار
یا نیاز و ناز اک مرکز پہ گویا بے حجاب
یا مجسّم بن کے ہیں دست و گریباں نور و نار
مجمعِ اضداد میں
عالمِ ایجاد میں

مشتعل ہے لالہ زارِ عالمِ بالا میں آگ
حُسن کی نیرنگیٔ دلکش کا آئینہ ہے یہ
بر لبِ مغرب سے شعلہ خیز ہے دیپک کا راگ
عارفِ نورِ ازل کا پرضیا سینہ ہے یہ
خلوتِ معصوم میں
گوشۂ مکتوم میں

قوسِ قزح

سفینۂ نیرنگِ دہر کا ہے محیطِ چرخِ بریں کے اوپر
لباسِ کثرت میں نورِ وحدت برس رہا ہی زمیں کے اوپر
تجلّیٔ ذات ہی نمایاں صفت کے پردے میں راز ہو کر
کہ چند شمعیں چمک رہی ہیں ابینِ سوز و گداز ہو کر
حقیقت جوشِ ابرِ باراں فضائے عالم میں موجزن ہی
نمونۂ موجِ حوضِ کوثر طراوتوں سے ہر انجمن ہی
کہ ہیرے، پنّے، عقیق، پکھراج اور نیلم کی یہ حمائل
پہن کے ذوقِ نظر نوازی پہ حسنِ فطرت ہوا ہی مائل
جہاں کی نیرنگیوں کا اوراقِ چرخ پر منعکس ہے نقشہ
کھچا ہی یا حور کی جبیں پر یہ دلکش و دلفریب قشقہ
شہیدوں کے خونچکاں کفن کر رہا ہی کیا خشک دستِ قدرت
کہ اس کے نظارے سے ہوا ہی ہلال پابندِ شرم و غیرت
نہ سلکِ گوہر میں یہ چمک ہی نہ اسقدر دلربا ہیں تارے
چھپی ہی پردے میں ابر کے کہکشاں اسی کی حیا کے مارے

ہے بحر مواج میں تلاطم نکھر رہی ہے ہوائے دلکش
سنور رہی ہے کوئی دو شیزہ ادا سے اوڑھے ردائے دلکش
کنارِ ہستی میں آبِ جو ہے ضیائے خورشید سے منوّر
کہ عالمِ رنگ میں تبسّم سے ہے کسی کے فضا معطّر
ہے اسمیں وہ طرزِ کج ادائی نہیں ہے حد و حساب جس کا
ملے خمیدہ کمانِ ابروئے یار میں کیا جواب اس کا
یہ فکرِ اہلِ نظر میں ہالہ ہے کرشن کے روئے دلنشیں کا
پر پپیہوں کے گمان میں حلقہ ہے حسن کے موئے عنبریں کا
یہ دفترِ حسن و عشق کی بے مثال اور ہفت رنگ جدول
بجا ہے کہئے جو کلکِ معجز نگارِ قدرت کا نقشِ اوّل
نہاں نہاں کارسازِ فطرت نقوش اس کے مٹا رہا ہے
کہ اس پہ طاؤس اپنے رنگین پروں کا پردہ گرا رہا ہے
غرض یہ ایسی ہی جیسے شاعر کے ذہن میں پیکرِ ہوائی
ہمیشہ معمورِ انقلابات تو یہ اندازِ دلربائی

ایک دلکش رات

وقفِ تنعّم روئے زمیں ہے   محوِ ترنم عالمِ بالا
مست اور سرخوش قلبِ حزیں ہے

مست اور سرخوش قلبِ حزیں ہے   ہر یا دل ہے کالا کالا
ساقی لے آ بادۂ رنگیں
وادیٔ گل کیا خلد آئیں ہے

وادیٔ گل کیا خُلد آئیں ہے   رقص میں ہے ہر ندی نالا
کیف میں ہیں سرشار یہاں سب
دیدۂ دل ہے منظرِ رنگیں
شاہدِ فطرت خندہ جبیں ہے

شاہدِ فطرت خندہ جبیں ہے   حسن نے جوبن خوب نکالا
محوِ تماشا ہر دل والا
مست ہے ساری بزم یہاں اب
جذبۂ دل ہے محشر آگیں
سازِ مکاں میں سوزِ مکیں ہے

(۲)

مست فضائے روئے زمیں ہے رنگ شفق میخانہ گستر
کافر سارا جلوۂ بستاں
کافر سارا جلوۂ بستاں نازش غنچہ غمزۂ دلبر
لیلئ شب ہے پھر زلف آرا
نکہت گیسو شام بہاراں
نکہت گیسو شام بہاراں حسن تصور، رنگیں پیکر
گویا فطرت خاموشی میں
محو اشارہ اک اک تارا
محفل انجم سبحۂ تاباں
محفل انجم سبحۂ تاباں دامن گردوں چشمۂ اخضر
ادنے والے، بدتر و برتر
بیداری میں بیہوشی میں
ہر اک ہے مسرور نظارہ
فتنۂ محشر جوش جواناں

(۳)

نور کا دریا چرخ بریں ہے فرش زمیں ہے تختۂ رنگیں

تاروں میں ہے سامانِ تبسّم
تاروں میں ہے سامانِ تبسّم   دامنِ صحرا دامنِ گلچیں
بحرِ تفکّر میں ہے وہ ہلچل
سکتے میں ہے ہر موجِ تکلّم
سکتے میں ہے ہر موجِ تکلّم   جلوۂ قدرت عارضِ سیمیں
آئینہ خانہ حُسن سراسر
چشمِ خماریں کیف مسلسل
خاطرِ صوفی وقفِ تلاطم
خاطرِ صوفی وقفِ تلاطم   صرفِ تبسّم ہیں لبِ رنگیں
کاکلِ شب میں طرۂ مشکیں
عقدِ ثریا، جعدِ منوّر
غرقِ تحیّر سارے جل تھل
اشکِ رواں میں لطفِ تراکم

سورج کی پہلی کرن

ہے جلوہ ریز سوئے زمیں آسماں سے

شمعِ سپہر و ارضِ جہاں گردِ آفتاب
تصویرِ آب و تاب
ہے موجِ زرنگارِ شبِ ماہتاب میں
یا لطفِ خیزِ جزر و مدِ دورِ انقلاب
تفسیرِ اضطراب
یا جامِ چرخ سے مئے احمر چھلک گئی
یا جوہرِ بلور کا ہے حسنِ بے مثال
آئینۂ کمال
انگڑائی ہے نشے میں یہ مستِ شباب کی
یا رقص میں ہے محو کوئی شوخِ مہ جمال
با عشوہ و دلال
کوئی ملک ہے نور کے ہالے میں جلوہ گر
یا کوئی حور عالمِ وجد و سرور میں
نازاں غرور میں
لرزاں یہ روشنی ہی دُرِ تابدار کی
یا غرق تارہ کاہکشاں بحرِ نور میں
ضَو کے وفور میں

نقش و نگارِ قدرتِ حق کا ظہور ہے
یا نور پاشِ تابشِ افشانِ مہ جبیں
خوش رنگ و دلنشیں

پیغامِ زیست مُردہ دلوں کا کہوں اسے
یا جلوۂ تبسّمِ محبوبِ نازنیں
یا اک خطِ جبیں

ہے یہ خلاصہ گردشِ لیل و نہار کا
یا دیدہ زیب گوشۂ دامانِ آرزو
مفتونِ شان ہو

رنگینئ بہار سے تشبیہ دوں اسے
یا خواہشِ دروں کی کہوں اس کو جستجو
آوارہ چار سو

تسکینِ سوزِ قلب کی اس میں نہاں ہے آب
تاریکئ ممات میں وجہِ حیات ہے
غم سے نجات ہے

جاگ اُٹھے ذرّہ ذرّہ نہ کیوں کائنات کا
پُرنور اس کے دم سے رُخِ شش جہات ہے
کیا خوش صفات ہے

اے منزلِ حیات کے واماندہ راہرو
اس خوابِ بیخودی سے ہوا ب ہُشیار اُٹھ
ہو ہوشیار اُٹھ

اے طالبِ سعادتِ دنیا و آخرت
اُٹھ ولولے کی طرح تو، بے اختیار اُٹھ
اور بیقرار اُٹھ

شکوۂ دوست

اے دلنواز و دلربا — اے ساقیٔ بزمِ وفا
اے دلبرِ نازک ادا — میں ہوں گرفتارِ بلا
تو ہو گیا جب سے جدا — تیرا نہ کوئی خط ملا
کچھ تو نویدِ جانفزا — دینا کبھی بہرِ خدا

بے چین ہے قلبِ حزیں
اور ہیں گرفتارِ الم
مہجور ہوں، اندوہگیں
اب کیوں نہیں مجھ پر کرم

بے برگ و بے گل، بے ثمر　　مثلِ خزاں دیدہ شجر
آتا ہوں پژمردہ نظر　　حالت پر اپنی نوحہ گر
ہے آہ میری بے اثر　　اور تو ہی مجھ سے بے خبر
بے بس ہوں اور بے بال و پر　　پُر داغ ہیں قلب و جگر

گم ہیں حواس و ہوش سب
ہے بیکسی چھائی ہوئی
تکتے ہیں منہ رنج و تعب
صورت ہی گھبرائی ہوئی

ہے پُر شگوفہ ہر چمن　　ہیں عیش میں اہلِ زمن
احباب زیبِ انجمن　　باہم ہیں سب گرمِ سخن
اک میں کہ غربت ہے وطن　　آماجگاہِ صد محن
نا مہرباں چرخ کہن　　ہوتا ہے مجھ پر خندہ زن

یہ حال اور یہ ابتلا
کتنا الم انگیز ہے
تیرا فراقِ جانگزا
کتنا قیامت خیز ہے!

اے رشکِ فردوسِ بریں!　　اے خوش ادا ناز آفریں

ہو مجھ سے تُو بدظن کہیں — مجھ کو یقیں آتا نہیں
کیا ہم نہ تھے دور و قریں — ہمدرد، ہمدم، ہمنشیں؟
کیا مجھ سے بڑھکر تھی کہیں — تیری محبت دلنشیں؟
کیا تُو نہ تھا اے مہ جبیں — منجملۂ، اہلِ زمیں؟
محبوبِ دل، ماہ جبیں — تسکینِ جذباتِ حزیں؟
کیا تُو نہ تھا اے نازنیں — میرے لئے دنیا و دیں؟
اے خوبصورت اے حسیں — تیری نگاہِ واپسیں

وہ وقتِ رخصت دُور تک
ہے دل میں اب تک جلوہ گر
قربان ہو مہر فلک
تیرے فروغِ حسن پر

کچھ یاد کر اے مہرباں — غمخواریاں، دلداریاں
آپس میں تھے ہم رازداں — ہر حال میں ہم داستاں
یوں ہمخیال و ہمزباں — جذباتِ دل کی ترجماں
تھے مثلِ گلزارِ جناں — اوضاعِ دورِ آسماں
یہ سختیاں، آسانیاں — مجبوریاں، بیتابیاں
وہ وحشتیں، بیباکیاں — پابندیاں، آزادیاں

بابوسیاں، رنگینیاں زرخیزیاں، شادابیاں
عالم کی سب نیرنگیاں تھیں دلکشا و دلستاں

اب خواب کی باتیں ہیں یہ
میرے خیالِ خام میں
یا ہجر کی راتیں ہیں یہ
اس دورِ خوں آشام میں
یا چھیڑ کی گھاتیں ہیں یہ
تیرے سکوتِ تام میں

اے ہم مذاق و ہم نوا اے صاحبِ صدق و صفا
اے دشمنِ کذب و ریا اے منکرِ جور و جفا
ایسی ہوئی ہے کیا خطا؟ بھائی یہ کیا تجھ کو ادا؟
کچھ تو خدا را اب بتا کیوں ہو گیا مجھ سے خفا؟
کیوں ہے یہ ظلم ناروا؟ ظالم یہ تو نے کیا کیا
رنج و الم بڑھتا گیا صبر و سکوں جاتا رہا
تیرے ستم کی ابتدا ہے زندگی کی انتہا
کیا تو سمجھتا ہے روا؟ آجائے یوں میری قضا

ہر وقت تیری یاد ہے

کس سے یہ دردِ دل کہوں؟
بیداد پر بیداد ہے
کب تک میں یہ صدمے سہوں؟

اب تو نہ تڑپا رحم کر　　تجھکو وفاؤں کی قسم
مشکل میں ہوں شام و سحر　　مجھ پر نہ کر اتنا ستم
حسرت کا دامن گیر ہوں　　حالانکہ بے تقصیر ہوں
کیوں قابلِ تحقیر ہوں؟　　کیوں لائقِ تعزیر ہوں؟

اے کاش مل جائیں ہم
پھر ہم اُسی انداز سے!
ہو لطفِ صحبت دمبدم
ہمراز کا ہمراز سے!
یا نامہ ہو کوئی رقم
سو لُطف سے سو ناز سے!

اب تابِ ضبطِ غم نہیں　　ہر شے سے میں بیزار ہوں
آنکھوں میں باقی دم نہیں　　بس طالبِ دیدار ہوں

نامۂ محبوب

(۱)

کیا لکھوں میں شادماں کیونکر ہوا پاس ہیں اُمید کی پائی جھلک
تیرا خط جب سے ملا اے جانِ جاں
اپنی خوش بختی پہ سو سو ناز ہیں
ذات تیری مخزنِ اکرام ہے لطف تیرا قاطعِ آلام ہے
تو سراپا ناز ہے انداز ہے

(۲)

آنکھ سے اوجھل رہا تو ہو کے دُور سوزِ فرقت سے ہوا دل باغ باغ
ہو گیا برباد میں ہجراں نصیب
بے سبب یہ یاد فرمائی نہیں
اس سے دل کی بڑھ گئیں بیتابیاں لطف سے بدلیں تغافل کیشیاں
میرے جذبِ شوق نے آخر تجھے
مجھ ستم کش کی دلائی یاد پھر

(۳)

تیرے دستِ ناز کی تحریر ہے یا ہے دستاویز حُسن و عشق کی

مرہمِ زخمِ دلِ صدچاک ہے
اس ترے حسنِ کرم پر ہیں نثار
ہو گئی کیف آشنا جانِ حزیں   شکوۂ جور و ستم اب کچھ نہیں
تیرا خط ہے یا خطِ تقدیر ہے
یا مرقع ہے مرے جذبات کا
یا ہے کوئی ساغرِ صہبائے عشق
پارۂ دل میں سمجھتا ہوں اِسے   بربطِ ہستی کی یہ مضراب ہے
اس سے طاری وجد کا عالم ہوا
غرقِ دریائے تصور کر دیا
سوتے سوتے آج جاگا ہی نصیب   ہیں ترے قربان اے میرے حبیب!
دفترِ مہر و کرم، لُطف و عطا
نقشِ تسکینِ دلِ بیتاب ہے
اس کو آنکھوں سے لگایا بارہا
میں ہوا محظوظ پڑھکر بار بار

(۵)

ہاتھ سے رکھکر اُٹھایا پھر اسے   دل میں اُترا عکسِ حُسنِ لاجواب
آئینہ خانہ میں جیسے ہو حسیں

یا جمالِ یار کا جلوہ عیاں
نالۂ دل یاد اب آتا نہیں گردشِ دوراں سے گھبراتا نہیں
بادۂ الطاف کے اک جام سے
یاس و حسرت، رنج و غم جاتے رہے
سوزِ دل میں ساز کا پایا مزا
نشۂ عشرت سے میں مدہوش ہوں
بیوفا، اب کہہ نہیں سکتا تجھے

(۶)

بھول کر بھی اب نہیں ممکن کہ ہو جوشِ وحشت سے مرا دل آشنا
چاک کر دوں ہائے یہ ممکن کہاں؟
کیوں جلا کر خاک کر ڈالوں اِسے؟
کیا یہ اے محبوب تیرا خط نہیں؟ پھر رہوں کیوں خستہ دل، اندوہگیں؟
سحر ہے افسوں ہے افسانہ ہے یہ
یا ہے لطفِ دوست کی اک یادگار
آہ! یہ کاغذ کا اک پرزہ نہیں
یہ تو گویا حسن کی تصویر ہے
ہے سیاہی میں نہاں یوں نقشِ نور

جس طرح ظلمات میں آبِ بقا
زندۂ جاوید طالب ہو گیا

جلوۂ دلدار

(۱)

دہر کے گلزار میں لطف دکھاتا ہوا
پھول اُڑاتا ہوا
نرگسِ مستانہ سے کیف بڑھاتا ہوا
درد مٹاتا ہوا
صرفِ خرامِ بہار
جلوۂ دلدار ہے

(۲)

پھول میں ہے رنگ و بُو اور رہی موتی میں آب
برق میں اک اضطراب
روح و دل و جانِ عشق حاملِ صد انقلاب
نغمے سناتا ہوا

صرفِ خرامِ بہار
جلوۂ دلدار ہے

(۳)

عشرتِ خُلدِ بریں   طنطنۂ لامکاں
دولتِ ہر دو جہاں
محورِ دنیا و دیں   مقصدِ پیر و جواں
دل میں سماتا ہوا
صرفِ خرامِ بہار
جلوۂ دلدار ہے

(۴)

جذبۂ دردِ نہاں   خاطرِ ناشاد کو
فطرتِ آزاد کو
گوشۂ ہر بزم میں   عالمِ ایجاد کو
رقص میں لاتا ہوا
صرفِ خرامِ بہار
جلوۂ دلدار ہے

(۵)

بھرتا ہوا اک بہار پیکر مسرور میں
طالب رنجور میں
جوش اُٹھاتا ہوا دیدہ مخمور میں
فتنے جگاتا ہوا
صرف خرام بہار
جلوۂ دلدار ہے

(۶)

رنگ بدلتا ہوا حسن جہانگیر میں
عشق کی تاثیر میں
سوز کی تعبیر میں ساز کی تعمیر میں
راز بتاتا ہوا
صرف خرام بہار
جلوۂ دلدار ہے

(۷)

کلبۂ درویش میں کاخ و شبستان کا
قصر کا ایوان کا
محفل اغیار میں اُلفت و احسان کا

رنگ چڑھاتا ہوا
صرفِ خرام بہار
جلوۂ دلدار ہے

(۸)

دل کو مسلتا ہوا طالبِ دیدار کے
بے کس و ناچار کے
وسعتِ کونین میں کاکلِ خمدار کے
دام بچھاتا ہوا
صرفِ خرام بہار
جلوۂ دلدار ہے

تنہائی

میں آغوشِ تنہائی میں سرمستِ تصور رہتا ہوں
خود گوشِ ہوش سے سنتا ہوں جب غم کی باتیں کہتا ہوں
جب غم کی باتیں کہتا ہوں سرمستِ تصور رہتا ہوں
کچھ راحت ایسی ملتی ہے اک وجد سا طاری ہوتا ہے

پھر یاد کسی کی آتی ہے دل ہوش و خرد سب کھوتا ہے
دل ہوش و خرد سب کھوتا ہے اک وجد سا طاری ہوتا ہے
اک کیف مسرت ملتا ہے گلزار کی سرد ہواؤں میں
میں نغمۂ دلکش سنتا ہوں شب کی خاموش فضاؤں میں
شب کی خاموش فضاؤں میں گلزار کی سرد ہواؤں میں

بے بادہ ہو کے عالم میں مستوں کا رنگ بدلتا ہے
دنیا کی گردش کے بدلے وحدت کا ساغر چلتا ہے
وحدت کا ساغر چلتا ہے مستوں کا رنگ بدلتا ہے
پھر موجِ ترنم اُٹھتی ہے رندانِ الست کی محفل میں
اور سازِ محبت بجتا ہے اک سناٹے کی منزل میں
اک سناٹے کی منزل میں رندانِ الست کی محفل میں
عقبیٰ کی حسرت مٹتی ہے دنیا کی یاد بھی جاتی ہے
پردہ جو دوئی کا اٹھتا ہے یکرنگی رنگ جماتی ہے
یکرنگی رنگ جماتی ہے دنیا کی یاد بھی جاتی ہے
احساسِ خودی تنہائی میں کچھ ایسا غالب ہوتا ہے
خود بندہ خالق بنتا ہے مطلوب ہی طالب ہوتا ہے
مطلوب ہی طالب ہوتا ہے کچھ ایسا غالب ہوتا ہے

خود رفتہ ہوں کچھ ہوش میں ہوں کچھ سنتا ہوں کچھ کہتا ہوں
میں آغوشِ تنہائی میں سرمستِ تصور رہتا ہوں
سرمستِ تصور رہتا ہوں کچھ سنتا ہوں کچھ کہتا ہوں

استاد کی بدحالی

آج کل ہے صیدِ آلام و محن استاد بھی
تختۂ مشقِ جفا اتنا نہ تھا فرہاد بھی
ایک دن وہ تھا کہ سر جھکتے تھے اس کے حکم پر
ایک دن یہ ہے نہیں سنتا کوئی فریاد بھی
ذات میں اس کی ہے مضمر رازِ اوجِ ملک کا
زندہ ہیں اقوام اس سے مستفید افراد بھی
اس نے پیدا کر دیئے بی۔اے اور ام۔اے بیشمار
اس کے دم سے نازشِ اجداد ہے اولاد بھی
اس کے آگے کرتے ہیں تہ سب ہی زانوئے ادب
رندِ مے آشام، پنڈت، واعظ و زہّاد بھی
اس کی ہمدردی میں ہے ماں کی محبت کا بھی لطف

اس کی دلسوزی دلاتی ہے پدر کی یاد بھی
اس کے دامن میں پلے ہیں بیشمار ارباب فن
اس کے ہیں مرہونِ منت صاحب ایجاد بھی
یہ شفا بخشِ مریضانِ سقیم الحال ہے
خونِ سودائے جہالت کے لئے فصاد بھی
اس کے زورِ علم و فن سے آج ہوتے ہیں فنا
مفلسی، بیچارگی، رنج و غم افتاد بھی
فیضیاب آج اس کی صحبت سے ہیں سارے خاص و عام
آنکھ والے اور نابینائے مادر زاد بھی
باعثِ نظم و ترقی اب بھی ہے اس کا وجود
اس کے دم سے ہے شگفتہ گلشنِ ایجاد بھی
لیکن اب اس مخزنِ تہذیب کی حالت نہ پوچھ
ہر گھڑی وقفِ بلا ہے، موردِ بیداد بھی
رحم آتا ہے مجھے حالت پر اس کی آج کل
کس مپرسی میں کبھی ہے یہ اور ہے ناشاد بھی
اپنی بدحالی سے ہے بیچارہ اک تصویر یاس
اس کے حالِ زار سے مغموم ہیں حساد بھی

کام اعلیٰ ہو تو کوئی داد تک دیتا نہیں
ہو قصور ادنیٰ تو ہے مقہور بھی برباد بھی
پاسِ خودداری کے باعث اسقدر مجبور ہے
ہو نہیں سکتا کسی سے طالبِ امداد بھی
اس کی دلجوئی کے ساماں آپ ہیں اپنی نظیر
غور سے سننے کے لائق اس کی ہے رُوداد بھی
تا کہ ہو سیر و سیاحت عمر بھر اس کو نصیب
حکمِ تبدیلی سے کرتے ہیں اسے دل شاد بھی
منبعِ علم و ادب ہوتے ہوئے قانع رہے
اس لئے ہوتا نہیں تنخواہ میں ایزاد بھی
نعمتِ انعام سے محروم رہ جائے نہ یہ
طعن اور تشنیع کے ملتے ہیں کچھ اسناد بھی
مدّتوں ہوتا نہیں اس کا کوئی پرسانِ حال
قید ایسی ہے نہیں جس کے لئے میعاد بھی
لے نہیں سکتا ہے ٹیوشن[۵] بے اجازت اسلئے

---

۵ ٹیوشن (Tuition) انگریزی لفظ ہے۔ کسی کو باخذِ اُجرت پڑھانا ایک مدرس

(بقیہ صفحہ ۵۸ پر)

تا بنے خود سر نہ یہ، غم سے نہ ہو آزاد بھی
اس پہ بھی شکوہ نہیں کرنا مگر کہنا ہے یہ
سب گوارا ہے اگر سنتے رہو فریاد بھی

نورجہاں

اے بہار گلشن ہندوستاں آب و رنگ محفل کون و مکاں
تیرے دم سے ملک تھا رشک جناں جان عالم تھی تو اے نورجہاں
آسمان ہند کا تارا تھی تو
ماہ عالمتاب کا پارا تھی تو
تو ہر اک انداز میں ممتاز تھی تیری صورت جلوہ گاہ ناز تھی
اہل ہمت تھی بڑی جانباز تھی رحم اور انصاف کی دمساز تھی

کے لئے ضروری تھا کہ وہ کسی شاگرد کو پرائیویٹ طور پر پڑھانے سے پہلے محکمہ سے اجازت حاصل کرے۔ (طالب)

۵۲ مقام شکر ہے کہ آخر اساتذہ کی یہ ناگفتہ بہ حالت ریاست کے ہر دلعزیز وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کی حقیقت شناس نگاہوں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہی۔ محکمۂ تعلیم کا چارج سنبھالتے ہی آپنے اسکی مالی حالت کو بہتر بنانے کیلئے تمام محکمے کے ملازموں کی تنخواہیں بڑھا دیں جس کے لئے تمام اساتذہ آپ کے ممنون ہیں۔ (طالب)

تجھے بہادر تیری جرأت پر نثار
کھیلتی تھی کوہ و صحرا میں شکار

پیکرِ شرم و حیا، عصمت کی جان   بذلہ گو، رنگیں ادا، معجز بیان
سروِ رعنا، قمریِ شیریں زبان   اور حسن و عشق کی روحِ رواں

فخر تھی تو مہ جمالوں کے لئے
نازنیں، نازک خیالوں کے لئے

حسنِ عالمگیر تیرا لاجواب   تجھ سے شرمندہ تھے ماہ و آفتاب
دیکھ کر چہرے کی تیرے آب و تاب   زہرہ تھا شیر افگنوں کا آب آب

صاف اک آئینہ تھا تیرا ضمیر
لوگ تھے دل سے ترے فرماں پذیر

نور کی پتلی تھی تو اے مہ جبیں   کیوں نہ ہوتا تجھ پہ شیدا نور دیں
دلربا تیری ادائے دلنشیں   ایسی عورت آج تک دیکھی نہیں

رنگ و حسن و نور سے معمور تھی
بھیس میں عورت کے تو اک حور تھی

ہند کا وہ شہریار کامگار   ہو گیا تیری بدولت نامدار
جلوہ گر ہوتی تھی جب تو گلعذار   زندگی میں اسکی آتی تھی بہار

محفلِ عیش و طرب آباد تھی

تجھ سے سب تیری رعیت شاد تھی

دلفریبی تھی تری دنیا میں عام　　آسماں بھی جھک کے کرتا تھا سلام

اے جہانِ نور کی ماہِ تمام　　کیا ہوا وہ تیرا دورِ احتشام

موت نے پامال تجھ کو کر دیا
کتنا خستہ حال تجھ کو کر دیا

مرثیہ فرزند[1]

چاہتا ہوں کہ نمایاں غمِ پنہاں ہو جائے
ترجمانِ غمِ دل خاطرِ سوزاں ہو جائے
لذّتِ شورشِ وحشت نمک افشاں ہو جائے
ٹکڑے دامن کے اڑیں، چاک گریباں ہو جائے
اک کشش کھینچے ہوئے تجھ کو لئے جاتی ہے
کان میں کھوئی ہوئی کوئی صدا آتی ہے

[1] یہ مرثیہ راقم نے بحالت حزن و غم و یاس و حسرت اپنے عزیز فرزند کی بے وقت موت پر لکھا ہے۔ مرحوم جو نہایت ہی خوش شکل، خوش تمیز، ہوشیار اور ہونہار تھا بیات سال کی عمر میں ۲۹ راگست ۱۹۳۵ء کو دن کے ساڑھے چار بجے وفات پاکر ہمیشہ کیلئے داغِ مفارقت دے گیا۔ اس صدمۂ جانکاہ نے راقم کو زندگی سے بیزار کر دیا۔ (طالب)

روح فرسا ہے شبِ غم، ہے بلا کا اندھیر!
نہ رہا گھر کا اُجالا، یہ ہوا کیا اندھیر!
مری آنکھوں میں سراسر ہے یہ دنیا اندھیر!
مُنہ چھپا کر ترا اے چاند ہے جانا اندھیر!
قابلِ ذکر نہیں آہ و بکا تیرے بعد
کیا کہوں دل کا جو کچھ حال ہوا تیرے بعد

یاد رہ رہ کے تری ہائے ستاتی ہے مجھے
بات ایک ایک تری خون رلاتی ہے مجھے
تبِ غم خاک میں افسوس ملاتی ہے مجھے
آتشِ فرقتِ بے وقت جلاتی ہے مجھے
آگ پانی میں لگا دوں نہی یہ میں نے ٹھانی
اُف رے گرمیٔ محبت کہ ہوں پانی پانی

کھا گئی کس کی نظر تجھ کو مری جاں ہے ہے!
ہو گیا تو نگہِ شوق سے پنہاں ہے ہے!
کیا سیہ روز ہوں میں کشتۂ حرماں ہے ہے!
دل کے دل ہی میں رہے سب مرے ارماں ہے ہے!
رقت انگیز نہ کیوں کر ہو کہانی تیری

حیف صد حیف کہ دیکھی نہ جوانی تیری

لعل و گوہر سے بھی تو بڑھ کے تھا پیارے موتی[1]
لختِ دل، لختِ جگر، آنکھ کے تارے موتی
لذّت روح و رواں، دل کے سہارے موتی"

اور تو مائلِ گفتار نہ ہو کیا معنی؟
شورِ ماتم سے بھی ہشیار نہ ہو کیا معنی؟

صبر کے ساتھ تو دُکھ درد سہا کرتا تھا
جو دوا دیتے تجھے چپ چاپ پیا کرتا تھا
یوں تسلّی ہمیں اُلٹی تو دیا کرتا تھا
"اچھا ہو جاؤنگا" اکثر یہ کہا کرتا تھا

کیوں نہ دل خوں ہو نہ کیوں مُنہ کو کلیجہ آئے
زیست کا ہو جو سہارا وہی جب اُٹھ جائے

حیف صد حیف کہ جینے کا سہارا نہ رہا
زیست جس سے مجھے پیاری تھی وہ پیارا نہ رہا
چین دل کا وہ مری آنکھ کا تارا نہ رہا

---

[1] مرحوم کا نام موتی لال تھا۔ (طالب)

نہ رہا ہائے مجھے صبر کا یارا نہ رہا
دیکھ کر کس کو جیوں نورِ نظر گھر میں نہیں
کیوں کلیجہ نہ پھٹے لختِ جگر گھر میں نہیں

زخمِ دل کے لئے بیٹھا ہوں دکھاؤں کس کو؟
تپشِ شوق بجھانے کو بلاؤں کس کو؟
اب وہ قصّے وہ کہانی میں سناؤں کس کو؟
بھولنا ہی نہیں تو ہائے بھلاؤں کس کو؟
کچھ بن آتی نہیں میں دل کو سنبھالوں کیونکر؟
ہائے موتی تجھے سینے سے لگا لوں کیونکر؟

کس کی بانہیں مجھے گرمائینگی اب اے معصوم؟
کون بہلائے مجھے گا کے کلامِ منظوم[1]؟
کس سے اب شرحِ عمل ہائے وفا کا مفہوم؟
ہاتھ لرزش میں ہے لکھتے ہوئے تجھکو مرحوم
آہ! جس وقت تصوّر میں تو آجاتا ہے
آنکھ سے نور، سکوں دل سے چلا جاتا ہے

---

[1] مرحوم خوش گلو اور خوش الحان بھی تھا۔ اُس کو کئی بھجن اور نظمیں زبانی یاد تھیں۔ ترنّم میں گا کر سناتا تو حاضرین نہایت محظوظ ہو جاتے تھے۔ (طالب)

طالعِ بد نے مجھے رنگ دکھائے کیا کیا
ملک الموت کے بھی ناز اُٹھائے کیا کیا
نقش دل سے تری خاطر نہ مٹائے کیا کیا
اب فسانے دلِ بیتاب سنائے کیا کیا
سچ تو یہ ہے تُو ابھی خُلد کا حق دار نہ تھا
زینتِ دوش ابھی رشتۂ زنّار نہ تھا[1]

کس قدر پائی تھی دلدار طبیعت تو نے
شوخیوں کو بھی دیا رنگِ سعادت تو نے
زندگی بھر کیا اظہار مروّت تو نے
پھیر لی کیوں نگہِ چشمِ محبت تو نے
تری احساس نوازی سے یہ اُمید نہ تھی
اک یہی تیری ادا قابل تائید نہ تھی

کیا قیامت ہے یہ اے گردشِ چرخ دوّار
دل میں ہو جس کے لئے حسرتِ آغوش وکنار
کر دے مجھ کو وہی یوں موت سے اپنی بیمار
لوٹ آ، اے مرے گلزارِ مسرت کی بہار

[1] ابھی مرحوم کے جنیؤ کی رسم بھی ادا نہ کی گئی تھی (طالب)

کاش پھر زیست سے بدلے یہ قضا آئی ہوئی
کاش پُر نور ہوں آنکھیں مری پتھرائی ہوئی

کس قدر تیرگی ہونے لگی محسوس افسوس!
شمع اخلاص ہے اور پردۂ فانوس افسوس!
کر دیا شومئ تقدیر نے مایوس افسوس!
مل گیا خاک میں، دل جس سے تھا مانوس افسوس!

یہ دعائے دلِ مغموم اجابت پا جائے
رحم اللہ کا اس پہ ہو ہمیں صبر آ جائے

خطاب بہ خواب

اے منبع کیفیت آرام دل وجاں
اے مخزنِ سرمایۂ تسکین فراواں

اے دافع آزارِ خیالات پریشاں
اے رافع آثار تعب، نافع گیہاں

اے راحت و آسائش مخلوق کے ساماں
بھولے نہیں اب تک وہ ترے لطف و احساں

(۲)

ہوں محو تری دُھن میں نہ کیوں خوابِ مسرت
مقدم ہے ترا باکرم شاہدِ فطرت
ہے تیری خموشی میں نہاں جلوۂ قدرت
تاریکیٔ شب میں ہے تو دمسازِ طبیعت
ہے کون بشر جس کو نہیں تجھ سے ارادت!
اے پردہ بر اندازِ رُخِ حسنِ حقیقت

(۳)

تو سحر ہے نیرنگ ہے فتنہ ہے کہ جادُو
تو غمزۂ دلکش ہے کہ ہے عشوۂ دلجُو
خمیازہ میں تیرے ہے نہاں حُسن کا پہلو
وا دیدۂ دل ہو گئے آیا جو نظر تو
ہے تجھ میں بسی گلشنِ الہام کی خوشبو
کیا وصف ترا مجھ سے ہوا اے شاہدِ خوشبو خوشخو

(۴)

پاس آ نگہِ شوق میں کر لوں تجھے مستور
اور دامنِ مژگاں کو کروں نور سے معمور

یوں کرو میں پھر ذوق سے ہو جاؤں جو مسرور
دنیا کی تن آسانیاں مجھ کو نہ ہوں منظور
ہو تیری دل آرائی کبھی مجھ سے نہ پھر دور
الطاف و کرم تیرا زمانے میں ہے مشہور

(۵)

تو مبتد کیا حیف تمنائی کو اپنے
مٹی میں ملاتے نہیں سودائی کو اپنے
محروم ولا کر نہ تو لائی کو اپنے
مایوس نظر کر نہ تماشائی کو اپنے
پامال کہیں کرتے ہیں شیدائی کو اپنے!
اک جام مے ناب دے صہبائی کو اپنے

(۶)

اب میرے لئے تیری جدائی ہے جگر سوز
بیٹھا ہوا سینے میں ہے اک ناوک دلدوز
کر دے مجھے الطاف سے اپنے طرب اندوز
ہو جا کہیں شب ہائے خزاں میں نظر افروز
بے طرح تری یاد ستاتی ہے شب روز

تجھ سا تو زمانے میں نہیں کوئی رم آموز

(۷)

تو آئے تو بھولے مجھے سارا غمِ دنیا
حتیٰ کہ فراموش ہو اندیشۂ عقبےٰ
تو آئے تو ہو جائے مری روح شکیبا
آ اے مری آنکھوں کے نگہباں، چلا آ
ہو جائے نظر سے مری معدوم یہ دنیا
اس کون و مکاں پہ ہو مجھے خواب کا دہوکا

(۸)

ہیں دار کے قابل نہ دربار کے قابل
بے دے کے ہوں بس سایۂ دیوار کے قابل
اب حالِ دل اپنا نہیں اظہار کے قابل
رفتار کے قابل ہوں نہ گفتار کے قابل
آنکھیں ہیں فقط تیرے ہی انوار کے قابل
ہوں طالبِ دید اور نہ دیدار کے قابل

عورت

وہ سوز جو سازِ دلِ عورت میں نہاں ہے
نیرنگِ جہاں ہے
ہر نغمۂ نو خیز اسی سے تو جواں ہے
رگ رگ میں رواں ہے
ہر ایک ادا لطف فزائے دل و جاں ہے
اور روح رواں ہے
ہر حال میں رنگینیٔ فطرت کا نشاں ہے
یا باغِ جناں ہے
اک باغِ جناں ہے طرب و کیف بداماں
یا دہر میں اک معجزہ حسن درخشاں
ہے چرخِ صباحت کا یہ تابندہ ستارہ
ہر گرم اشارہ
عکسِ رخِ خورشید کا رقصاں سا شرارہ
مہتاب کا پارہ
یا بحرِ لطافت کا اک آباد کنارہ
شاداب نظارہ

شاعر کے تخیل کا زبردست سہارا

بھرتا ہے طرارہ

بھرتا ہے طرارہ دمِ نظارہ جوانمرد
پابند اسی حسن کا ہے مردِ جہاں گرد
اک برقِ بلا حسن کی بیتاب فضا میں
گھنگھور گھٹا میں
ہے مرتعش افسوں بھری زلفوں کی ردا میں
مستانہ ادا میں
مستور ہے وہ جلوہ گہِ ارض و سما میں
احساس حیا میں
یا ایک حسیں نقش پراگندہ ہوا میں
اس دارِ فنا میں
اس دارِ فنا میں ہو سکوں اسکے ہی دم سے
دم نخلِ عالم میں ہے عورت کے قدم سے
ہے عشقِ جہاں سوز کی تحریکِ نہانی
جذبات کی بانی
معصومیٔ اوصاف ہے، تمہیدِ جوانی

الفت کی زبانی
ہے مہر و وفا، عصمت و عفت کی نشانی
صورت میں سہانی
ذات اس کی حقیقت میں ہے اک گنجِ معانی
دلچسپ کہانی

دلچسپ کہانی ہے یہ محبوب زمانہ
پیغامِ محبت ہے کہ الفت کا فسانہ
ترانہ
ہے منزلِ جذبات اسی سے طرب انگیز
آسودگی آمیز
افسردہ طبائع کے لئے ہے یہی مہمیز
جاں بخش و طرب ریز
جب حسن بنا عشق کے میدان کا شبدیز
کچھ اور ہوا تیز
ہے دیدۂ احباب بغیر اس کے گہر بیز
آغوشِ الم خیز
سمجھو اسے جذباتِ محبت کا خزانہ
واماندگیِ مردکی ہمدرد یگانہ

مرزا غالبؔ

(تضمین بر اشعارِ رشید)

وجہ حیرت کس کے خوابِ عمر کی تعبیر ہے؟
رشکِ صد الہام کس کی شوخیٔ تحریر ہے؟
مدتوں کے بعد کس کی یاد دامنگیر ہے؟
سامنے آنکھوں کے کس کا پیکرِ تصویر ہے؟
جسکی خاموشی میں بھی اک لذّتِ تقریر ہے

بے بدل انشا نویس و شاعرِ فخرِ زماں
بذلہ گو، جادو سخن، رنگیں نوا، شیریں بیاں
نکتہ رس، جدت پسند، اہلِ قلم، اہلِ زباں
آہ! یہ ہے غالبِ جنت نشیں، خلد آشیاں
باعثِ اعزازِ دلّی، نازشِ ہندوستاں

روح کو بالیدگی ملتی ہے جس کی یاد میں
تر زباں ہیں خوش بیاں جسکے سخن کی داد میں
جس کا نغمہ وجد زا ہے خاطرِ ناشاد میں
جو نظیر اپنی تھا خود اس عالمِ ایجاد میں

اور اب خوابیدہ ہے خاکِ جہاں آباد میں

دل میں اُس کے درد تھا اور سر میں سودائے سخن
دیدنی ہے چشمِ باطن سے سراپائے سخن
ہو نہ بیں یکتائے فن اُس کے نہیں جائے سخن
زندگی بھر جو رہا سرمستِ صہبائے سخن

مرتے مرتے بھی نہ چھوڑا جام و مینائے سخن

شیو راثری

(۱)

بربطِ فطرت نوائے غیب سے معمور ہے
خالقِ صد نغمہ مضرابِ شبِ دیجور ہے
دفعتاً پھر سوزِ باطن کے لبِ اظہار سے
گونج اُٹھتی ہے صدائے ہو در و دیوار سے
بکھرنے سر سے ضیا باری کی ارزانی ہوئی
اک نئے انداز میں پھر جلوہ سامانی ہوئی
عالمِ بالا کی جانب پھر نظر جانے لگی
گردشِ ایام مرکز کی طرف آنے لگی

محرمِ رازِ ازل سرشارِ وحدت ہو گئے
منکرِ روحانیت پامالِ حسرت ہو گئے
جاذبِ ہر اہلِ دل شوراتری کا ساز ہے
اس کی ہر لے میں نہاں سوزنگ کا اعجاز ہے

شیوراتری

(۲)

کسقدر نور آفریں ہے آج شامِ زندگی
لائی ہے شیوراتری تازہ پیامِ زندگی
زندگی کا ہے کہاں مقصد وجودِ آب و گل؟
ہے لباسِ ظاہری نام و نمودِ آب و گل
آب و گل کے پردۂ تاریک میں پنہاں ہے روح
جلوۂ نورِ حقیقی، عظمتِ انساں ہے روح
روح کیا ہے بادۂ ہستی کا دلکش جام ہے
روح کیا ہے پرتوِ حسنِ ازل کا نام ہے
نام ہے جس میں بشر پاتا ہے رنگ و بوئے دوست
جام ہے جس میں نظر آتا ہے عکسِ روئے دوست

دوست کے دیدار کا ذوقِ تمنّا چاہیئے
جس کو یہ ہو جائے حاصل پھر اُسے کیا چاہیئے

چاہیئے انسان کو معلوم ہو تعبیرِ زیست
کھول کر چشمِ بصیرت پڑھ سکے تفسیرِ زیست

زیست سے روشن رہے تا آفتابِ داغِ دل
روح کی تجدید سے ہو انقلابِ باغِ دل

باغِ دل میں طائرِ جاں زمزمہ پرداز ہو
اپنے مرکز کی طرف پھر مائل پرواز ہو

مائلِ پرواز ہو پھر جانبِ رفعت مدام
جادہ دائی زندگی کا یوں ہو طالب اہتمام

ظہورِ کرشن

ابھی تھا خواب میں ہنگامہ دورِ ہستی کا
ابھی تھا شاہدِ دنیا کا رنگِ رخ پھیکا
حریمِ قدس کا اب تک ربابِ تھا خاموش
ابھی تصوّرِ عابد سکون سے تھا ہمدوش

نگاہِ دل میں ابھی شوقِ دید تھا مستور
ابھی نہ راز کا محرم تھا عاشقِ مہجور
حجاب وہم کا حائل تھا ہمز بانی میں
جواب تھا ارنی گو کا لن ترانی میں
ہوئی نئے سرے سے کائنات کی تعمیر
کہ سوزِ جذبِ محبت کی بڑھ گئی تاثیر
صفائے قلب سے اک آہ عرش تک پہنچی
صدائے الست کی ساری فضا میں گونج اٹھی
بہارِ رحمتِ حق خوب جوش میں آئی
فدا ہے جلوہ ہوئے دہر کے تماشائی
نفوذ کر گیا ان میں تجلیات کا جوش
ادا کے مارے ہوئے آج ہوگئے مدہوش
نظر فریب و دلاویز خوش ادائی سے
ظہورِ ذاتِ الٰہی کے جم گئے نقشے
شہود و غیب کا آپس میں اتصال ہوا
زمانہ موردِ اکرام ذوالجلال ہوا
سما یا ذرے میں اک آفتابِ عالمگیر

قریب و دُور ہر اک کی چمک اُٹھی تقدیر
بشر کا پردہ بسندار تار تار ہوا
خودی کے راز کا مطلب خود آشکار ہوا
جمال و عشق کے سربستہ راز فاش ہوئے
دوئی کے جتنے تھے پردے وہ پاش پاش ہوئے
ضیائے حُسنِ مجسم سے پردہ در ہو کر
صفات و ذات کو رنگِ مجاز میں کھو کر
جمالِ رشامؔ کے جلوے کا انتشار ہوا
جہاں کی خاک کا ہر ذرّہ نور بار ہوا
قیام کے لئے یہ ہند انتخاب ہوا
غرض جو ذرّہ تھا وہ رشکِ آفتاب ہوا

جشنِ ہاشمی

وہ آفتاب دو جہاں ظہورِ ذاتِ پاک کا
وہ ماہتاب ضو فشاں شہودِ تابناک کا
وہ بیکسوں کا چارہ گر وہ گمرہوں کا رہنما

وہ رشکِ نورِ ہر سحر　　وہ شامِ دلربا ادا
جہاں میں جب ہوا عیاں

جہاں میں جب ہوا عیاں　　سُرور بخش رات میں
ہوا ہوئی سیاہیاں　　تمام کائنات میں
سحابِ ظلم چھٹ گیا　　ضیائے حق چمک اٹھی
وفورِ شوق بڑھ چلا　　فضائے دل مہک اٹھی
جہاں میں جب ہوا عیاں
وہ دلنوازِ بے بدل

وہ دلنوازِ بے بدل　　جہاں میں جب ہوا عیاں
وہ جلوۂ مہِ ازل　　وہ سوزِ جسم و قلب و جاں
نظر فریب و دلنشیں　　جو وجہِ وجد و حال تھا
وہ پاکباز راستیں　　جو نیک و خوش خصال تھا
جہاں میں جب ہوا عیاں
وہ دلنوازِ بے بدل
کمالِ آب و تاب سے

کمالِ آب و تاب سے وُہ دلنواز بے بدل
عیاں ہوا حجاب سے گہن سے چاند فی المثل
زمانہ سازگار تھا حقیقت آشکار تھی
وُہ جلوہ نور بار تھا بہار رہی بہار تھی
جہاں میں جب ہوا عیاں
وُہ دلنواز بے بدل
کمالِ آب و تاب سے
ہوئی تھیں ضو فشانیاں

ہوئی تھیں ضو فشانیاں کمالِ آب و تاب سے
تھا رنگ و بوئے گلستاں عیاں ہر اک شباب سے
ہنسی خوشی سے تازہ دم نحیف و ناتواں ہوئے
شکارِ نکبت و الم ستمگرِ زماں ہوئے
جہاں میں جب ہوا عیاں
وُہ دلنواز بے بدل
کمالِ آب و تاب سے
ہوئی تھیں ضو فشانیاں

سکونِ دل سے آشنا
تھے بیخودی میں اہلِ دل

سری کرشن جی کی بانسری

دیکھو وہ شام سندر مرلی بجا رہے ہیں
رس راگ کے کرشمے کیا کیا دکھا رہے ہیں
کس کس ادا سے میٹھے نغمے سنا رہے ہیں
رنگیں نوائیوں کی گنگا بہا رہے ہیں
ہونٹوں کے زیر و بم سے طوفاں اٹھا اٹھا کر
خاموشیٔ فضا میں ہلچل مچا رہے ہیں

شاداب گلشنوں میں خوابیدہ بستیوں کے
سنسان جنگلوں میں آوارہ ہستیوں کے
عالم میں بیخودی اور بیدار مستیوں کے
بالا بلندیوں سے تا زیر پستیوں کے
نیرنگیٔ جہاں کے فتنے جگا جگا کر
سوز و گداز بن کر دنیا پہ چھا رہے ہیں

چھن چھن کے آ رہی ہیں من موہنی صدائیں
اُٹھ اُٹھ کے جھومتی ہیں بکھری ہوئی گھٹائیں
انگڑائیوں کے بس میں ہیں رس بھری ہوائیں
کروٹ بدل رہی ہیں سوئی ہوئی فضائیں
آواز دور رس ہیں گر دھر سما سما کر
مثلِ صدائے گنبد چکر لگا رہے ہیں

اپنے خیال بھولے گئو ہیں، گوال سارے
پنچھی، ہرن، چکارے بھرنے لگے طرارے
اس زیر و بم میں گم ہیں جمنا کے دو کنارے
محوِ سرود تو ہیں گوپال کرشن پیارے
پیالے سے جذب دل کے مے پریت کی پلا کر
ڈور و قریب سب کو مستائے جا رہے ہیں

طنبور اور دف ہیں اسباب جاں نوازی
تارِ رباب و بربط، آہنگ سحر سازی
سُر جلترنگ کے ہیں وجہِ فسوں طرازی
لیکن نہیں ہے ان میں وہ شانِ امتیازی
چھپ چھپ کے جس سے نٹ ور جادو چلا چلا کر

عالم میں اپنے فن کا سکّہ جما رہے ہیں

سکھیوں نے جھولے ڈالے، سب جھولنے کو آئے
پینگیں بڑھا بڑھا کر ساون کے گیت گائے
آواز کرشن سُن کر حسرت کے تیر کھائے
ہوش اُن کے لڑکھڑائے، اوسان ڈگمگائے
رنگ اور راگنی کی چھینٹیں اُڑا اُڑا کر
گھنشام لخلخہ خود اُن کو سنگھا رہے ہیں

گانے لگا پپیہا حمد جناب باری
موروں کے شور میں ہے انداز نغمہ باری
طوطے کے بول میٹھے، کوئل کی کوک پیاری
بنسی کے راگ سے ہے لیکن وہ وجد طاری
جس کے مقابلے میں گردن جھکا جھکا کر
شرم و حیا کے مارے سب منہ کی کھا رہے ہیں

راگی نے مست ہو کر دلسوز راگ گایا
دھیانی نے دھن میں ہر کے چرنوں سے چت لگایا
گیانی نے گیان درشن کرنے میں سکھ اُٹھایا
لیکن کسی عمل میں ایسا مزا نہ پایا

چیت چور جس ادا سے چنتا مٹا مٹا کر
پہلو میں ہر منش کا دل گدگدا رہے ہیں

آکاش سے اُچھل کر شمس و قمر ہیں رقصاں
رُوئے زمیں پہ کیا کیا شاخ و شجر ہیں رقصاں
پربت کی گودیوں میں سنگ و حجر ہیں رقصاں
موجوں میں پانیوں کی دُرّ و گہر ہیں رقصاں

ہر ذرّۂ جہاں کو موہن نچا نچا کر
برہمانڈ راس منڈل اب بھی رچا رہے ہیں

اُٹھی صدائے سرمد جس سے وہ نے یہی ہے
اور نعرۂ انا الحق کی اصل لَے یہی ہے
جس نے امر بنایا میرا کو وہ یہی ہے
نخمی گوپیوں میں جس سے چھل بل وہ شے یہی ہے

اب بھی ہیں آپ ہی جو جلوے دکھا دکھا کر
مرکز کی سمت اپنے سب کو بلا رہے ہیں

اے دو جہاں کے مالک، اے حُسنِ کبریائی
ارض و سما کے خالق، مختارِ کل خدائی
طالبؔ کو بھی عطا کر وہ ذوقِ ہمنوائی

مٹنے نہ پائے جس سے یہ دردِ آشنائی
قدموں میں تیرے اپنی ہمت بڑھا بڑھا کر
ہم آہ! مدّتوں سے آنکھیں بچھا رہے ہیں

ہدایت نامۂ منظوم (نا تمام)[1]

(۱)

طلب یا شوق

طالبِ صادق کے دل میں جلوہ گر ہو شوقِ دید
بہرِ وصلِ مالکِ کُل ہے یہی فالِ سعید
شوق جس دل میں نہیں وہ لائقِ عزّت نہیں
جو نہیں جویائے حق وہ صاحبِ ہمت نہیں
شوق ہی کی ابتدا ہے باعثِ تحریکِ وصل
شوق ہی کی انتہا ہے مژدۂ تبریکِ وصل

---

[1] "رادھا سوامی مت" کے طریقِ عمل سے متعلق ہدایات پر سردار بادن سنگھ صاحب کی ایک تصنیف اُردو نثر میں "ہدایت نامہ" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ ایک دوست کی فرمائش پر اسے نظم کیا گیا لیکن افسوس ہے کہ ساری کتاب مکمل نہ ہو سکی۔ (طالب)

ہے طریقِ حق میں دائم حاجتِ سامانِ شوق
دستگیرِ طالبِ صادق ہے یہ طوفانِ شوق
شوق کیا ہے! دل کو اسرارِ حقیقت کی طلب
شوق کیا ہے؟ روح کو پروازِ رفعت کی طلب
بے طلب کچھ بھی زمانے میں کوئی پاتا نہیں
بے نیازی سے کسی کو ہاتھ کچھ آتا نہیں
روٹی بھوکے کے لئے پانی ہے پیاسے کیلئے
بے ضرورت کون بھرتا ہے خزانے کیلئے
دہر میں ہر شے ہے بے شک مستحق کے واسطے
اہلِ دل مخصوص تر ہیں ذاتِ حق کے واسطے
زندگانی بنتی ہے جلوے سے جب وسعت پذیر
تجربے سے چشمِ انساں ہوتی ہے عبرت پذیر
خود بخود سچی طلب کا ہوتا ہی جوہر عیاں
جس سے ہوتا ہے رُخِ مطلوب انساں پر عیاں

(۲)
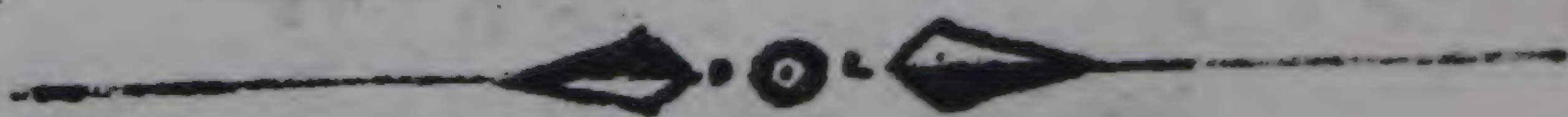
اُدھکاری[۱] کی قسمیں

منقسم کُل تین درجوں میں ہیں سارے اہلِ ذوق
جن کے دم سے اس جہاں میں ہے فروغِ بزمِ شوق

ایک وُہ جن کی طلب میں خامیاں ہوتی نہیں
عالمِ اسباب سے ہوتے ہیں بالا تر کہیں

جن کے دل میں جذبۂ روحانیت کی ہے لگن
یاد میں حُسنِ حقیقی کی جو رہتے ہیں مگن

جو حصولِ مدعا کے واسطے بیتاب ہیں
حاملِ ذوقِ طلب ایسے بشر کمیاب ہیں

اعتراض و شک سے رکھتے ہیں زباں کوتاہ وہ
ست گرو[۲] کے اک اشارے سے ہیں پاتے راہ وہ

کامیابی اُن کو اکثر جلد ہوتی ہے نصیب
قلب کی یکسوئی سے آتے ہیں منزل کے قریب

---

[۱] اُدھکاری بمعنی اہل۔ صاحب اہلیت۔ (طالب)
[۲] ست گرو۔ مُرشدِ کامل۔ (طالب)

طبقۂ اعلیٰ سے وابستہ ہیں ایسے اہلِ دل
رہ کے دنیا میں بھی ہیں وہ بے نیازِ آب و گِل
دوسرے جو پست تر ہیں اہل اس مفہوم کے
رہتے ہیں بے وجہ بندے خدشۂ موہوم کے
دیر پا لیکن نہیں ہوتا ہے اُن کا انتشار
تھوڑے ہی عرصے میں کرتے ہیں رہِ حق اختیار
پرسش و تحقیق سے مٹ جاتے ہیں اُنکے شکوک
اُن کو بھی ملتا ہے آخر درجۂ اہلِ سلوک
تیسرے وُہ ہیں جنہیں حاصل ہے سوزِ ناتمام
اور ہے کچھ پست تر جن کا تجسّس میں مقام
قلب میں اُن کے بھی ہوتی ہے تمنائے وصال
دب کے مدّت تک مگر رہتا ہے شوقِ وجد و حال
کشمکش رہتی ہے اُنکی عقل و استدلال میں
چپقلش، شک اور تذبذب، رنگِ قیل و قال میں
علمی و عقلی مباحث میں پڑے رہتے ہیں وہ
رنجِ تاخیر و طوالت دیر تک سہتے ہیں وہ
رفتہ رفتہ محو ہو جاتا ہے اُن کا اضطراب

صبر و استقلال سے ہوتے ہیں وہ بھی کامیاب

(۳)

ادھکاری کیا چاہتا ہے

تین چیزوں کی فقط کرتا ہے ادھکاری تلاش
جانتا ہے جن کو وہ وجہ کمال انتعاش
ایک تو ہے نفیِ جزو و جذبۂ اقرارِ کُل
یعنی دیدِ ذات جو ہے مالک و مختارِ کل
مالکِ کُل ہے وہی ست پُرش، جس کا نام ہے
جس کا ادھکاری سراسر بندۂ بے دام ہے
کیا ہے "ست"؟ اک اجتماعِ ہستی و علم و سرور
"پُرش" ایسے اجتماعِ خاص کا کامل ظہور
ہستیٔ مطلق بغیرِ علم ہو سکتی نہیں
ساتھ اس کے بے نیازِ راحتِ اصلی نہیں
تین رنگوں میں غرض ہے ایک ہی شے جلوہ گر
پردۂ تثلیث میں شکل ایک آتی ہے نظر

ہے یہی ذاتِ حقیقی اور یہی اصلِ وجود
اُس کو سمجھو سرِ وحدت اور رازِ ہست و بُود
'سچدانند'، اس کو کہتے ہیں سب اربابِ شعور
اس میں مضمر ہے کمالِ ہستی و علم و سُرور
دوسرا مقصد جو ادھکاری کے ہے پیشِ نظر
رہتا ہے درپئے وُہ جس کے دمبدم آٹھوں پہر
یہ ہے، حاصل ہو وصالِ ہستیٔ مطلق اُسے
رہنما ہو اشتیاقِ دل براہِ حق اُسے'
تیسری شئے جس کا وہ رہتا ہے ہر دم خواستگار
ہے طریقِ سہلِ مقصد یہ ہو جس سے کامگار

(۴)

مالکِ کُل

خواہش ادھکاری کو رہتی ہے کہ ہو وُہ باکمال
اسلئے ست پُرش کا مطلوب ہے اس کو وصال
جو ہے کامل کچھ اُسے اسباب کی حاجت نہیں

ایسی ہستی میں سرور و علم کی قلت نہیں
شئے ناقص میں عیاں ہے شورشِ نقص و فتور
نقص ہی ہے باعثِ تشویش و غم، فسق و فجور
ہستیٔ موجودہ انساں کی ہے ناقص، بے اثر
انتشار و موت سے جس کو نہیں ہرگز مفر
باوجودِ علمِ دنیاوی نہیں ہم میں شعور
باوجودِ عیش و عشرت ہم ہیں محروم سرور
کون کہہ سکتا ہے اس ہستی کو پھر اصلی حیات؟
خاک ایسی زندگی پر جو ہے پابندِ ممات!
داغِ ناکامی و حسرت پے بہ پے کھاتے ہیں ہم
سہتے سہتے رنج و غم دنیا سے اٹھ جاتے ہیں ہم
طالبِ حق، حق بجانب ہے جو یہ کر لے سوال
"کیا سرور و علم و ہستی میں ہے امکان کمال؟"
اس سوالِ دلکشا کا سنت[1] دیتے ہیں جواب
"ہاں! ہر اک جو بندہ ہوگا فیضیابِ اکتساب
شرط ہے سچی طلب ہو، رہرو جادہ بنے
مالکِ کل، ہستیٔ مطلق کا دلدادہ بنے

[1] درویش - فقیر - دوستِ خدا - (طالب)

ہے طریقِ دیدِ حق ہی جس کا مذہب نام ہے
باعثِ برکات جس میں حرکتِ ہر گام ہے

(۵)

مذہب

بہرِ وصلِ مالکِ کل جو حقیقی راہ ہے
اصلِ مذہب ہے وہی، سالک کو جسکی چاہ ہے
راہِ حق جس سے رسائی ہو حریمِ یار تک
یعنی ذاتِ مالکِ کونین کے دربار تک
سنت مت یا اعتقادِ فقر اس کو جانئے
جوہرِ دنیا و ما فیہا اسی کو مانئے
ورنہ مذہب سے اگر مطلب ہی قیدِ رسم و راہ
تب تو یہ ہوگا طریقت خواہ یا مسلک پناہ
فرض ہے سالک پہ تحقیقات صدق و کذب کی
مذہبِ بالاتریں کی جستجو پہ غور بھی
باعثِ تسکینِ دل ہے مذہبِ بالاتریں
موجبِ برکاتِ کل ہے، قابلِ صد آفریں

مذہبِ بالائے ہی معرفت کا ہے سبب
حاصلِ راہِ نجات و مغفرت کا ہے سبب
عقل کہتی ہے کہ اس پر غور کرنا چاہیئے
اور اندھا دھند تقلیدوں سے ڈرنا چاہیئے
چاہیئے انسان کو تحقیقِ دینِ حق کرے
پردۂ غفلت کو سوزِ جذبِ دل سے شق کرے
مختلف ادیان میں پھر باہمی تطبیق دے
تاکہ خالق کامیابی کی اُسے توفیق دے
گر کوئی سمجھے یہ مذہب ناقص و بے ربط ہے
سنت مت، کو آزمائے ورنہ دعوے خبط ہے

(۶)

مذہب سریع العمل، سیدھا اور آسان ہو

یہ بھی لازم ہے کہ مذہب سہل اور آسان ہو
جس سے تقلیدِ عمل میں برکت و احسان ہو
اس میں دقت، سخت گیری یا کوئی الجھن نہ ہو

یہ بجائے رہنما ثابت کہیں رہزن نہ ہو

جپ، ریاضت، تپ، مشقت، دکھ نہیں سکے اصول
چاہیئے کوئی نہ ہو تحصیل سے اس کی ملول

طالبِ دیدار بر رہنے نہ پائے بند باب
مرد و زن، پیر و جواں یکساں ہوں اس سے فیضیاب

لیکن اس کو خاص ذاتی تجربہ درکار ہے
ورنہ تجویز ہدایت بے عمل بے کار ہے

عکس افگن جن کے دل میں ہو جمالِ معرفت
کھینچ لے جن کے تصور کو جلالِ معرفت

ایسے ہی اصحاب تو ہیں باعثِ فخرِ زمن
ایسے ہی اصحاب کی جانب ہو اب روئے سخن

چاہیئے اُن کو کہ دنیا کی محبت کم کریں
فیض حاصل کرنے کی وہ کوشش پیہم کریں

جاگزیں ہو اُن کے دل میں گر خیالِ ما و من
الفتِ اولاد و حرص و رغبتِ زر، شوقِ زن

سونپ دیں تقدیر کو یہ جاہ یہ دھن یہ خیال
ہاتھ آئیگی اُنھیں یوں نعمتِ خیرِ مآل

صحبتِ خاصاں مقدم سمجھیں، ہوں روشن دماغ
شغلِ یادِ حق سے چمکے اُن کے باطن کا چراغ

ڈھونڈھیں اہلِ فقر میں بالاتریں ہمدم فقیر
جسکی ہستی فیض دہ ہو، جسکی صحبت بے نظیر

جانتا ہو جو کہ انہد[1] شبد، کا رازِ عمل
مشق پیہم سے ہو جس میں جلوہ گر عرفان کا بل

مردمِ دیدہ کو اپنی کھینچ کر جو مردِ نیاب
شغل کی برکت سے دونوں کو بنا سکتا ہو ایک

نغمۂ بالا جسے پیغامِ سوز و ساز دے
سُن کے گوشِ ہوش سے جو روح کو پرواز دے

---

(۷)

دنیا کی محبّت کم کی جائے

حُبّ دنیا آدمی میں چاہئے کم ہو ضرور

---

[1] یوگ کا ایک طریقہ ہے جس سے دو ہاتھوں کے انگوٹھے دونوں کانوں میں ڈال کر دھیان کرنے سے بیرونی آواز سُننے کے بغیر اندر کا شبد یعنی آواز سنائی دیتی ہے۔ رادھا سوامی مت، میں یہ طرزِ عمل پسندیدہ ہے اور اسکی تلقین کی جاتی ہے۔ (طالب)

زر، زن واولاد کی دل بستگی ہیں ہے فتور
لیکن اس کا یہ نہیں مطلب کہ وہ 'باباجی' بنے
بہرِ دیدارِ الٰہی تارکِ دنیا بنے
یا کرے ویرانہ و جنگل میں اپنی بود و باش
یا بنائے دلقِ درویشی فقط وضع و تراش
ہے یہ اہلِ فقر کا ارشاد، رکھے آدمی
کم، زمین و زر، زن و فرزند سے وابستگی

(۸)

فقیروں کی صحبت

بہرِ سالک بہترین طرزِ عمل ست سنگ ہے
جس سے بہرہ ور نہ ہونا باعثِ صد ننگ ہے
مدعا 'ست' سے ہے زندہ سنگ سے ہے اختلاط
یعنی ذاتِ عارفِ کامل سے خوئے ارتباط

لہ 'بابا' سے یہاں مطلب ہے "سنیاسی" یعنی تارکِ دنیا۔ (طالب)

صحبتِ کامل یہی ہے ، مسلکِ احسن یہی
اصطلاحِ اہلِ دل میں بہترین کندن یہی
قُربتِ آتش میں ہے موجود گرمی کا اثر
ہمنشینی آب کی رکھتی ہے سردی کا اثر
بخشتا ہے روشنی کا فائدہ قُربِ چراغ
صحبتِ گل سے معطر کیا نہیں ہوتا دماغ؟
یوں ہی ماحولِ فقیری سے ہر سالک فیضیاب
حاملِ آثار بنتا ہے ، حقیقت انتساب
صحبتِ بد میں بدی کا ہے اثر پنہاں ضرور
صحبتِ نیکاں میں ہے موجود نیکی کا سُرور
اچھی صحبت کے اثر پر اتنا ہے دار و مدار
کرتے ہیں حیوان بھی انساں کی خو بو اختیار
مادّی چیزوں میں بھی انسان کی صحبت کا اثر
سو طرح سے ہے جہانِ رنگ و بو میں جلوہ گر
چاہیئے سالک کو صحبت سنت ہی کی حاصل کرے
تا کہ ہم آہنگیٔ جذبات کا وہ دم بھرے

سروس لیگ[۱]

ریاضِ خُلد سے بہتر تھا ایک دن کشمیر
کہ جسکی خاک تھی عنبر، غبار رشکِ عبیر
فرشتے اس کی فضاؤں میں تھے صغیر و کبیر
ہوئے تھے آکے یہاں حُسن و عشق شکر و شیر
مثالِ کوہِ سلیماں تھا اس کا سنگھاسن
پری محل تھا ہر اک گھر کہ حُور کا مسکن

اسی کو کہتی تھی دنیا بہشتِ ثانی ہے
زمیں پہ جنتِ فردوس کی نشانی ہے
ڈل اس کا دیکھ کے کوثر کا دل بھی پانی ہے
سری نگر نہیں خالق کی مہربانی ہے

---

[۱] یہ نظم آج سے تقریباً بتیس سال پہلے لکھی گئی تھی۔ خشک سالی اور اجناس کی گرانی کے باعث ان دنوں اہل کشمیر مصائب آلام میں گرفتار رہے۔ بعض دردمند نوجوانوں نے اہل ملک کی امداد باہمی کی غرض سے ایک سروس لیگ (Service League) قائم کی جسکے ممبروں نے شہر سری نگر میں ضروریات زندگی بہم پہنچانے کیلئے کئی مرکز کھولے۔ بیشمار بندگان خدا "لیگ" کی خدمات سے مستفید ہوئے۔ یہ نظم لیگ کے ایک جلسے میں پڑھی گئی تھی۔ (طالب)

خدا کی شان وہ چرخ اور وہ زمیں ہی نہیں
اسی کو کہتے ہیں جنّت مجھے یقین ہی نہیں
اگر غلط مرا کہنا جناب عالی ہے
تو کہئے خُلد میں کیوں رنج قحط سالی ہے
ہر ایک سمت غریبوں کی پائمالی ہے
ہزار حیف ہر انساں کا پیٹ خالی ہے
بہت خراب ہے حال اس کا یہ تباہ ہوا اب
بہشت کیا کہ یہ دوزخ کا قبلہ گاہ ہوا اب
بنے ہیں بھائیوں کے بھائی دشمن و حسّاد
ہے زوج و زوجہ میں باہم فساد اور عناد
پدر رہیں مہر نہیں اور نا خلف اولاد
غضب ہے آج ہیں شاگرد، قہر کے استاد
بنے ہیں قوم کے جو نوجوان میکائیل
وہ قبض روح کو پھرتے ہیں مثل عزرائیل
جو حق پرست تھے وہ بھی جفا پرست ہوئے
کبھی امیر تھے جو اب وہ فاقہ مست ہوئے
جو اپنی قوم میں تھے سر بلند پست ہوئے

فراخ دست تجھے جو آہ! تنگدست ہوئے
وبا ہے، قحط ہے یا یہ بھی بِل ہے رولٹ[1] کا
دلوں میں کر دیا بیدار موت کا کھٹکا

الٰہی پھر ہو کرم سے ترے یہ محفل شاد
بہشت کا گھر ہے دعوئے یہ ملک غیر آباد
برادری کی رکھی لیگ نے جو ہے بنیاد
عجب نہیں اگر اس سے ہو قوم کی امداد
کہ اس کے رکن رکیں وہ خدا کے بندے ہیں
جو دیتے قوم کی خاطر ہزار چندے ہیں

قوم پرستی کا پیغام اہل وطن کے نام[2]

نشاط افزا سماں تھا روح پرور کیف منظر تھا
سُرور آگیں ہر صورت جمالِ نور پرور تھا

---

[1] رولٹ (Rowlatt Act) جو ہندوستان کی انگریزی گورنمنٹ نے جاری کیا تھا اور لوگوں کے لئے قہر الٰہی سے کم نہ تھا۔ (طالب)

[2] ۱۹۳۱ء میں حضرتِ شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں ذمہ دار نظام حکومت کا
(بقیہ صفحہ ۱۰۰ پر)

نظامِ رنگ و بو سے ہر مشامِ جاں معطر تھا
خوشی میں شاعرِ رنگیں نوا الہام در بر تھا
سکوں آمیز فرصت میں نہ تھی کوئی پریشانی
بھڑک اُٹھے نئے انداز سے جذباتِ پنہانی

مجسّم بن گیا دل اس کا تصویرِ وفاداری
نئے ماحول پر اک وجد کا عالم ہوا طاری
طبیعت جوش میں آئی ہوا فیضِ سخن جاری
لکھا کشمیریوں کے نام اک پیغامِ بیداری

سناتے ہیں تمہیں ہم آج اے اہلِ وطن سن لو
حدیثِ دیر و کعبہ، حالِ شیخ و برہمن سن لو
ہمارے حال سے ظاہر ہے ملک و قوم کی پستی
عجب کیا ہے اگر ویراں کدہ بن جائے یہ بستی

※ قائم کیا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں اخبار "ہمدرد" سری نگر کا ایک خاص نمبر نہایت آب و تاب کے ساتھ ماہ جولائی ۱۹۳۸ء میں شائع کیا گیا جس میں نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے آزاد ملکوں کے نیتاؤں اور سیاسی زعما کے پیغامات و آراء کے علاوہ مشہور شعراء کی نظمیں بھی درج کی گئی تھیں یہ نظم اسی خاص نمبر کے لئے لکھی گئی تھی اور شائع ہوئی تھی۔ (طالب)

یقیناً رنگ لائیگی جنوں انگیز بدمستی
اُتر جائیگا دو دن میں خمارِ بادۂ ہستی

کہو اے اہلِ دل تم نے کبھی اتنا بھی سوچا ہے
کہ حبِّ قوم کہتے ہیں کسے، پاسِ وفا کیا ہے؟

اگر دراصل تم کو اپنے مذہب سے عقیدت ہے
اگر تم کو خداوندِ دوعالم سے محبّت ہے
اگر اہلِ وطن سے تم کو ہمدردی کی عادت ہے
تو سمجھو فرقہ واری واقعی اک طوقِ لعنت ہے

رضا کارِ وسیع القلب نیکوکار ہوتا ہے
مگر تفریق کا بندہ ذلیل و خوار ہوتا ہے

بہی خواہِ وطن قومی اخوّت کو بڑھاتا ہے
سیاست میں ہمیشہ رنگ یکرنگی دکھاتا ہے
عدوئے ملک راہِ قوم میں کانٹے بچھاتا ہے
اسیرِ فرقہ بندی ہو کے قومیّت مٹاتا ہے

غرض متدی کا حامل صاحبِ ہمت نہیں ہوتا
گنہگارِ وطن دلدادۂ ملّت نہیں ہوتا

اُٹھو اہلِ وطن ڈالیں بنا قومی عمارت کی

کریں تکمیل اس میں کاروبارِ دین و ملّت کی
رگوں میں روشنی بیدار ہو قومی حمیّت کی
نحوست دور ہو اس خطۂ خوابیدہ قسمت کی

یہیں مسجد ہو اپنی اور یہیں اپنا شوالا ہو
جہاں میں اتحادِ قومیت کا بول بالا ہو

کشمیر کا حقیقی رہنما[۵]

شفا بخشِ قلوبِ خستگاں جس کا عمل دیکھا
حمایت میں جسے آفت زدوں کی بے بدل دیکھا

[۵] یہ نظم حضرتِ شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے آخری دفعہ جیل سے رہا ہونے کے موقع پر کہی گئی تھی اور روزنامہ "خدمت" مورخہ ۱۲؍ نومبر ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی۔ اخبار مذکور میں راقم کی طرف سے نظم کے ساتھ مندرجۂ ذیل تمہیدی نوٹ بھی شائع ہوا تھا۔ "ایک وقت تھا جب متواتر شوقِ خامہ فرسائی کی بدولت میں اخباری اور ادبی دنیا میں شیطان سے بھی زیادہ مشہور تھا اب بوجوہ مدت سے عزلت گزیں ہوں اور کم و بیش تعلقات سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشینی اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ البتہ معاش کی خاطر فرائضِ ملازمت کی انجام دہی سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ مدت سے شعر گوئی سے بھی دست بردار ہوں۔ شاذ و نادر کسی جذبے کے تحت شعر کہتا ہوں مجھے اس امر کے اظہار کرنے میں ذرا بھی تامّل نہیں کہ میں شروع ہی سے نیشنل کانفرنس کو ملک کی بہترین نمایندہ جماعت سمجھتا رہا ہوں جس کے بغیر ہمارا کوئی نجات دہندہ نہیں ہو سکتا۔"

(بقیہ صفحہ ۲۰۳ پر)

یہاں کی سرزمیں سے جو اُٹھا ہے سرخرو ہو کر
دلوں میں ہند کے لوگوں کے بیٹھا آرزو ہو کر
خدا نے جس کے پہلو میں دلِ درد آشنا بخشا
جسے لاکھوں کروڑوں میں ضمیرِ بے ریا بخشا
محاسن جس میں مضمر ایک سچے رہنما کے ہیں
ودیعت جس میں اوصاف ایک مردِ باخدا کے ہیں
حصولِ مدّعا جس کا نہیں کچھ بھی بجُز خدمت
نہیں جس کی نظر میں امتیازِ مذہب و ملّت
محبت کو بشر کی جو عطائے بے بہا سمجھا
اصولِ زندگی دع ما کدر خذ ما صفا سمجھا
دیا جس نے سہارا بے کسوں کو ناتوانوں کو
اُٹھایا جس نے گرتوں کو سنبھالا خستہ جانوں کو

---

* اس کے کارکنوں کی بے لوث خدمات آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس کے روحِ رواں قائدِ اعظم شیخ عبداللہ صاحب نے کشمیر کی بہتری، آسودہ حالی اور بلا امتیازِ مذہب و ملت تمام باشندگان ریاست کے لیے جس خلوص اور ایثار سے قربانیاں پیش کی ہیں اُنکی جتنی بھی تعریف کیجائے کم ہے۔ اِنہی خیالات نے میرے دبے ہوئے جذبات کو اُبھارا اور مجھے ایک نظم کہنے پر مجبور کیا ہی چار سال خدمت ہی اس میں یہ التزام رکھا گیا ہے کہ بالترتیب ہر شعر کے پہلے حرف کو ملانے سے حضرت قائدِ اعظم کا نامِ نامی اور اسمِ گرامی بنتا ہے۔" (طالب)

عزیزوں نے جسے چاہا ہے اُن کو آسرا جس کا
قدم چومے بزرگوں نے بڑھا کر مرتبہ جس کا
بھلا دی جس نے اہلِ ملک کی خاطر تن آسانی
نئے سر سے بنا آبادیٔ کشمیر کا بانی
دکھائی جس نے راہِ حق ضلالت کے اسیروں کو
سکھائی جس نے تدبیریں وزیروں کو مشیروں کو
اسیری کے مصائب جس نے جھیلے خندہ زن ہو کر
رہا پامالِ غم برسوں سے جو فخرِ وطن ہو کر
لکھا ہے جس کی پیشانی پہ لفظِ شوقِ آزادی
مٹائی ہے غرض جس نے بنائے خانہ بربادی
وہی ہے ناخدا اپنے وطن کی ناؤ کھینا ہے
خطابِ قائدِ اعظم، اسی کو زیب دیتا ہے

کشمیر پر قبائلیوں کا حملہ

نوجوانوں سے خطاب

وطن کو دشمنوں سے بچاؤ

بچاؤ عدو سے برابر وطن کو لڑو اب دل و جاں سے تیار ہو کر

اُٹھو خون سے سینچو اپنے وطن کو
مئے جوشِ ہمت سے سرشار ہو کر
شبِ غم میں اُمید کا ہو اُجالا
جہاں میں تمہارا رہے بول بالا

بڑھاؤ قدم مردِ میدان بن کر
نکمّے نہ کیوں ہو ذی شان بن کر
فرائض بجا لاؤ انسان بن کر
رہو اب نہ دنیا میں انجان بن کر
نہ کیوں کام آئے خدا کا سہارا
بھروسہ ہے اُس پر ہمارا تمہارا

خود انساں نے انساں پر کی چڑھائی
ستم بے گناہوں پہ ہر طرح ڈھائے
جنوں تھے وہ اپنے وحشت تھی چھائی
جفاؤں کے اپنی صلے خوب پائے
ستم کر کے بیحد پشیمان ہیں اب
بہر رنگ برباد و ویران ہیں اب

سمجھ میں نہ اپنی مگر بات آئی
کہ دشمن بنا کیوں ہے بھائی کا بھائی
کہیں فتنے برپا کہیں ہے لڑائی
کہیں آگ خود گھر میں اپنے لگائی
کسی نے کسی کا گلا آدبایا
کسی نے کسی کو نشانہ بنایا

عمل جن کا ایسا ہی نادان ہیں وہ
نہیں اُن سے بڑھکر ہی بدخواہ کوئی
نہیں ہیں وہ انسان حیوان ہیں وہ
نہ اُن کے برابر ہے گمراہ کوئی

ہیں ننگِ وطن غیر مسعود ہیں وہ
سزاوارِ دوزخ ہیں مردود ہیں وہ

بلندر کھو نہ بیٹھے کہیں دین وایماں برابر ہے سکھ ہو کہ ہندو مسلماں
سکھاتے ہیں وید و گرنتھ اور قرآں کہ بندے ہیں اللہ کے سارے یکساں

روا کب ہو آپس میں بغض و عداوت؟
کہ ہو یہ تو انسانیت سے بغاوت

عزیز و اٹھو اب مناسب نہیں ہو کہ بیٹھے رہو ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر
تماشائے غارتگری ہر کہیں ہو یہ وقتِ عمل ہے مسلسل برابر

سنبھالو اسے جو بھی بے آسرا ہے
جو غم اور افلاس میں مبتلا ہے

جنہیں مال و دولت کی نعمت تھی حاصل پسندیدہ سب کو تھے جن کے خصائل
مصائب ہیں اب جن پہ لائے قبائل ترحم کے قابل ہیں اُن کے مسائل

اُنہیں دو سہارا بنو فیض گستر
تسلی، تشفی، زر و مال دے کر

جنہوں نے بیک یک مصیبت اٹھائی جنہیں قتل و غارت سے پالا پڑا ہے
تشدد نے جن پر قیامت ہے ڈھائی نہ کچھ پاس سرمایہ جن کے رہا ہے

نکالو ہجومِ فلاکت سے اُن کو

بچاؤ بہر حال غربت سے اُن کو

یقیناً اُسے پاسِ افتادگی ہے — مدد بینواؤں کو جس نے بھی دی ہو

ہدایت یہی شیرِ کشمیر کی ہے — وطن کا بہی خواہ بیشک وہی ہو

فدائے وطن خلق میں سرخرو ہے

جوانمرد و نیک اختر و نیک خو ہے

برستا ہے ہر ایک پر ابرِ رحمت — کرو پیار مومن سے کافر سے یکساں

طریقت یہی ہے یہی ہے حقیقت — ہے تقلیدِ حق نازشِ اہلِ ایماں

ہے خدمت سے عظمت ہر اہلِ ہنر کی

گدائی، شہنشاہ کی، ہر بشر کی

جشنِ آزادیٔ کشمیر کی تقریب پر

چاہتا ہوں یہ، سُناؤں قوم کی روداد آج

ہے مسرّت سے شگفتہ خاطرِ ناشاد آج

لہ قبائلی حملے کے بعد عبوری دورِ حکومت ختم ہونے پر جب امن و اماں قائم ہوا اور شیخ صاحب نے بحیثیتِ وزیرِ اعظم حکومتِ کشمیر کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد احاطۂ نمائش گاہ میں ایک یادگار اور عالیشان جلسہ٭

(بقیہ صفحہ ۱۰۸ پر)

بحرِ رحمت جوش میں ہے اک نئے انداز سے
حق نے دی فریادِ مظلوماں کی آخر داد آج

مٹ گیا باطل طریقہ جبر و استبداد کا
بعد مدت ملک اپنا ہو گیا آزاد آج

دشمنوں کی ہر کشتی خود ہی کچل کر رہ گئی
سرفروشانِ وطن سے ہے وطن آباد آج

پرچم آزاد لہراتا ہے آب و تاب سے
ٹل گئی سر سے بلائے فتنۂ بیداد آج

راحت افزائے نظر ہے جشنِ آزادی کی رسم
لے کر آیا ہوں پیامِ صد مبارکباد آج

اب بھی گو آشفتگی کا دور عالمگیر ہے
رشکِ گلزارِ جنت وادیٔ کشمیر ہے

دفعتاً کیوں بدگماں ہند و مسلماں ہو گئے
بے سبب آپس میں خود دست و گریباں ہو گئے

جشنِ آزادی منانے کی غرض سے منعقد کیا گیا جسکا انتظام ایک کمیٹی کے سپرد کیا گیا تھا کمیٹی کے سکریٹری کے ارشاد پر یہ نظم اس جلسے میں پڑھکر سنائی گئی تھی۔ جلسے میں آنریبل دزیراعظم، دیگر وزرا اور ریاست کے اعلےٰ افسروں کے علاوہ حاضرین کی تعداد بیشمار تھی۔ (طالب)

پھونک ڈالا جذبۂ وحشت نے اپنا ہی چمن
ہموطن اک دوسرے کے دشمن جاں ہو گئے
کر دیا تفریق نے پامال سارا انتظام
سینکڑوں آباد گھر برباد و ویراں ہو گئے
جا بجا پیدا ہوا اک اضطراب و انتشار
بندگان حق اسیر دام شیطاں ہو گئے
بے گناہوں کو مٹا کر جو ہوئے تھے سرخرو
ہو کے رسوائے زمانہ خود پشیماں ہو گئے
دے کے دنیا کو دوبارہ دولت امن و سکون
صلح کے پیغامبر[1] بے وقت قرباں ہو گئے
ہوش میں آئے نہ ہم تو زندگی دشوار ہی
قوم بے غیرت ہی بے شک اور بد اطوار ہی
پائمال غم ہوئے ہم، تھا یہی تقدیر میں
حملہ آور آ براجے خطۂ کشمیر میں
حامیٔ اسلام بن کر آئے پاکستان اصل میں
موت تھی روپوش ان کے نعرۂ تکبیر میں

[1] مہاتما گاندھی۔ (طالب)

مرد و زن، بچّے ہوئے اُن کے مظالم کا شکار
فرق وہ کرتے نہ تھے مطلق جوان و پیر میں
نذرِ آتش کی گئیں اُف بستیاں کی بستیاں
ہوگئے بے خانماں کتنے ہی دار و گیر میں
کل جو تھے زردار ہیں وہ آج بے برگ و نوا
حالِ غم پنہاں ہے اُن کا نالۂ شبگیر میں
کیا بتائیں ظلم کیا کیا ظالموں نے ڈھائے تھے
آ نہیں سکتے حوادث معرضِ تحریر میں
الغرض ہر حملہ آور رہزن و حیوان تھا
جس میں انسان کے جلوہ نما شیطان تھا
طلعت آرا جس طرح ظلمت میں ہو اک موجِ نور
پھر ہوا دورِ بلا میں شیخ صاحب[1] کا ظہور
جس نے یک رنگی سے سب کو کر دیا شیر و شکر
جس کی خدمت سے ہمیں حاصل ہوا عیش و سرور
جس کی چشمِ حق نگر میں ہندو و مسلم ہیں ایک
جس کے دم سے مٹ گئے فتنے، فسادات و فتور

---

[1] شیخ محمد عبداللہ صاحب سے مراد ہے۔ (طالب)

پائے استقلال جس کا لغزشوں سے بے نیاز
جس کے آگے جھک گئے سب خودسر و اہل غرور
مذہب و ملت سے بالا جس کی اعلیٰ ذات ہے
ہو رہی ہے دھوم جس کی آج کل نزدیک و دور
زور بازو ہیں یہی جس کے جذبۂ صدق و وفا
بار آور جس کی اک دن کوششیں ہونگی ضرور
ملک کو جس نے بچایا پنجۂ آفات سے
ہیں اُمیدیں سب کی وابستہ اُسی کی ذات سے
سر بکف لڑتے رہے دشمن سے جو ہمت کیسا تھ
کامراں ہو کر پھرے وہ جنگ سے رفعت کیسا تھ
قابل صد آفریں ہیں وہ جوانانِ وطن
گولیاں کھا کھا کے جو لڑتے رہے ہمت[۱] کیسا تھ
مستحق تعریف کی ہے سنگھ[۲] کی مردانگی

---

[۱] اشارہ ہے مولانا محمد سعید صاحب مسعودی جنرل سکریٹری آل انڈیا جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی طرف جو بازو پر گولی کھانے کے باوجود دشمنوں کا مقابلہ کرنے کیلئے آگے بڑھنے سے باز نہ رہے۔ (طالب)

[۲] برگیڈیر راجندر سنگھ سے مراد ہے جس نے چند سپاہیوں کی معیت میں اوڑی کے قریب بیشمار قبائلی حملہ آوروں کا جان توڑ مقابلہ کیا اور کئی دن تک ان کو اس

(بقیہ صفحہ ۱۲۱ پر)

جو ادائے فرض میں کام آگیا جرأت کیساتھ
رشک کے قابل ہے بیشک ایسے جانباز کی موت
جان پر اپنی جو کھیلے خلق کی خدمت کیساتھ
سب سے ہے رتبہ فزوں شیروانیٔ مرحوم کا
نام اُس کا لب پہ آتا ہے بڑی عزت کیساتھ
اُس کی قربانی رہے گی جاودانی یادگار
راہیے ملک بقا وہ ہو گیا حشمت کیساتھ
کام بعدِ مرگ آیا جذبۂ حُبِّ وطن
تھا محیطِ روح اس کا لطفِ ربِّ ذوالمنن
دل کے احساسات کو اب ہم چھپا سکتے نہیں
اور دھوکے میں عدو کے ہرگز آسکتے نہیں

× مقام سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اور آخر کار کوئی مزید کمک نہ پہنچنے کے باعث وہیں کام آگیا۔ (طالب)

۳؎ محمد مقبول شیروانی سے مطلب ہے جو نیشنل کانفرنس کا ایک برگزیدہ اور قابل قدر کارکن تھا۔ اُس نے دیگر رضا کاروں کے ساتھ بارہ مولہ کے مقام پر قبائلیوں کا جانبازی سے مقابلہ کیا۔ قبائلیوں نے عذاب شدید کے بعد نہایت بیدردی سے آخر کار اُس کو گولی کا نشانہ بنایا۔ مرحوم نے "شیر کشمیر زندہ باد" کا نعرہ لگاتے ہوئے جان دیدی۔ (طالب)

شکر یہ کیوں کر ادا ہو ہند کی سرکار کا
دل میں ہے جتنی عقیدت لب پہ لا سکتے نہیں

ہم کو گاندھی جی نے جو درسِ رواداری دیا
لوحِ دل پر نقش ہے اس کو مٹا سکتے نہیں

ذاتِ نہرو جی کی مستغنی ہے ہر توصیف سے
اُن کے احسانات ہم دل سے بھلا سکتے نہیں

خود ہی ہیں خاک وطن کے ہم بہادر سپاہیاں
غیر کو اب ملک میں اپنے بُلا سکتے نہیں

ناموافق بسکہ ہے آب و ہوائے انقلاب
ہم ابھی آرام خاطر خواہ پا سکتے نہیں

پھر بھی اپنے ملک کی شوکت نظر افروز ہے
ہمت افزا ہے، مسرت خیز و وجد آموز ہے

کشمیر کی آزادی اور اخبار رنبیر جموں کی جوبلی

نہ کیوں مرغوبِ خاطر ہو یہ آزادی کا نظارہ
غلامی سے ملا ہم سب کو آخر کار چھٹکارا

نظامِ نو بہارِ تازہ کا پیغام لے آیا
خزانِ دیرپا سے لُٹ گیا تھا یہ چمن سارا
مگر معلوم ہے کیا آپ کو یہ کس کی ہمت سے
نحوست کے اندھیرے میں ہی چمکا بخت کا تارا
وہ اک مردِ مجاہد[1] ہے کہ جس کی سعیٔ پیہم سے
عوامی راج کا بجنے لگا دن رات نقّارا
روا رکھتا نہیں جو امتیازِ مذہب و ملّت
نہیں جس کے برابر ہندو و مسلم کو کچھ پیارا
کیا طرزِ عمل سے اپنے حیراں جس نے عالم کو
عقیدت مند دل نے جس کی یکرنگی کا دم مارا
غریبوں، بیکسوں کی جس نے ہر دم دلنوازی کی
دکھایا جس نے نیچا اُن کو پایا جن کو خود آرا
اُڑا دی دھجیاں سب جس نے فرسودہ حکومت کی
عدوئے حریت کھو بیٹھا خود ہی طاقت و یارا
جوانمردی و ہمت میں حقیقی رہنما اپنا

[1] حضرتِ شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ صاحب کی طرف اشارہ ہے۔ (طالب)

انیس ملک و مقبولِ وطن، محبوبِ دل آرا
رہا رہبر بھی تحریکِ آزادی کا اک حامی
چڑھا رجعت پسندوں کے دلوں پر جس سے کچھ پارا
محبّانِ وطن کا ہمنوا بن کر بڑھا آگے
پئے تحصیلِ آزادی وہ بیخوفی سے للکارا
'اگر مطلوب ہے اہلِ وطن کو دورِ خوشحالی
اخوت کا الاپیں راگ لے کر قومی اکتارا
اثر ہو زورِ بازو میں تدبر کا تحمّل کا
کریں ماحول وہ پیدا کہ جس سے موم ہو خارا'
اُٹھاتا ہی رہا آوازِ حق جراءت سے وہ پیہم
نہ آئی پاؤں میں لغزش نہ ہرگز حوصلہ ہارا
بجا لاتا رہا خدماتِ خاص و عام برسوں سے
تشدد سے گلے پہ اس کے گو چلتا رہا آرا

بجا ہی جو منائے جوبلی یہ آج حشمت سے
مبارکباد ہم بھی پیش کرتے ہیں مسرت سے
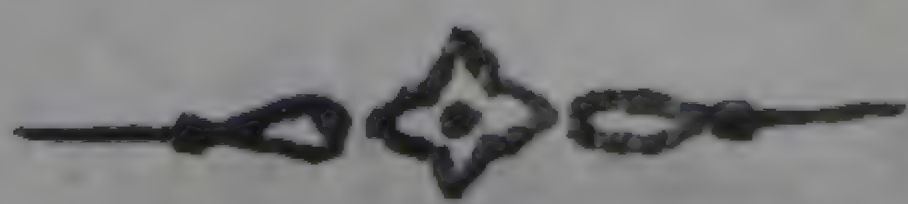
نوروز کا مبارک پیغام جوانانِ وطن کے نام

اے سوزِ ہستی کے حامل، ہمت کے سردار
کب سے ہیں جوہر کے تیرے طالب سب غمخوار
تازہ روح کا سائل ہو جو گیتی کا گلزار
آیا ہی نوروز مبارک اُٹھ اب ہو بیدار
اُٹھ اب ہو بیدار خدارا اُٹھ اب ہو ہشیار

مطلعِ تاباں صبحِ وطن کا کب سے ہی مستور
مدت سے ہی دل ویراں اور آنکھیں ہیں بے نور
کیوں ہی اے غفلت کے ماتے تجھ کو یہ منظور
آخر یوں ہی رکھے گا کب تک اپنی یہ رفتار
اُٹھ اب ہوشیار خدارا اُٹھ اب ہو بیدار

آزادی کا شوق نہیں ہے ہرگز تیرا خام
بیداری کا نغمہ بھی ہے تازہ اک پیغام
حیف ہی اس ماحول میں ہو تو مایوس و ناکام
مایوسی و ناکامی ہیں مٹنے کے آثار
اُٹھ اب ہو بیدار خدارا اُٹھ اب ہو ہشیار

عالم میں ہلچل کا طوفاں اور ہے تو خاموش
مردہ قوموں کی رگ رگ میں اُٹھا ہے اک جوش
دُنیا جاگی تو ہے اب تک غفلت سے مدہوش
غفلت سے مدہوش ہے تو اے بیخود اے میخوار
اُٹھ اب ہو ہشیار خدارا اُٹھ اب ہو بیدار

سورج نکلا، دھوپ چڑھی اور تو ہے محوِ خواب
اوس سے جیسے افسردہ ہو گلزار شاداب
اُٹھ کر اپنے سازِ عمل پر مار بھی دے مضراب
نغمۂ نو نو روز کا تیرے سوز کو ہے درکار
اُٹھ اب ہو بیدار خدارا اُٹھ اب ہو ہشیار

کشمیر کی مشہور شاعرہ ملکہ حبّہ خاتون کے چند کشمیری اشعار کا ترجمہ

کون رشک حبّہ خاتون دے گئی تجھ کو فریب
کس نے بدظن کر دیا؟ کیوں مجھ سے تو بیزار ہے؟
پھیر لیں آنکھیں یہ مجھ سے بے وفا؟ کیوں؟ کیا سبب؟

قدر و قیمت اس طرح میری گھٹائی کس لئے
آ بوقتِ نیم شب، میں کر رہی ہوں انتظار
کھول کر رکھا ہے دروازہ فقط تیرے لئے
میں نہا دھو کر اُٹھی ہوں صرف تیرے دھیان میں
زیبِ تن پوشاکِ نَو ہے تجھ سے ملنے کے لئے
ناوکِ دلدوز نے یادِ شبابِ رفتہ کے
میرے قلب و سینہ کو بے طرح چھلنی کر دیا
سامنے تیروں کے تیرے ہو گئے ہیں سینہ سپر
دیر سے ہوں منتظر، کیا میں نہیں تیرا شکار؟
آ مرے پہلو میں دل سے دُور کر رنج و ملال
تو مری جان ہے، جگر ہے، روح کی تسکین ہے
کیا غضب ہے تجھ کو اے خورشید رو دیکھے بغیر
میں پگھلتی جاتی ہوں ساون میں مثلِ برف و یخ
دم بدم ڈھلتی ہی جاتی ہے جوانی کی بہار
باغ یہ تیرا ہے تُو اس کی بہاریں لوٹ لے
کھل گئے ہر رنگ کے اب پھول انہیں دیکھ لے
کیا نہیں ہو گا تُو ان کی سیر سے راحت فروز؟

میں نے چُن چُن کر رکھی ہیں نعمتیں تیرے لئے
تو نہیں بے اعتنائی سے ہے ٹھکراتا رہا

آتشِ جاں سوز تھا تیرا فراق اے دلربا
تن بدن میرا کہاں اب خاک کا اک ڈھیر ہے

کچھ پتہ چلتا نہیں روپوش بیٹھا ہے کہاں
تھک گئی ہیں کرتے کرتے کوہ و صحرا میں تلاش

حبۃ خاتون صید حسرت ہے شکار یاس و غم
بندگی کرنے میں شاید عمر بھر قاصر رہی

کشمیر کی مشہور عارفہ للہ دید (للہ یشوری) کی ایک کشمیری واکیہ یعنی قطعۂ کلام کا ترجمہ

(۱)

اُردو میں

۱

ہے بحرِ زندگی معمورۂ دورِ پریشانی
تلاطم خیز و تند و تیز و شر انگیز و طوفانی

اسی ماحول میں کشتی مری بے راہ چلتی ہے
کبھی ہٹتی، کبھی رکتی کبھی پہلو بدلتی ہے
فقط اک کچے دھاگے کی مدد سے اسکو کھینچتی ہوں
سہارے کے لئے ملّاح کو آواز دیتی ہوں
تعجب کیا اگر فریاد میری کچھ اثر لائے
مرا مولا بنے خود ناخدا اور پار لے جائے

(۲)

جس طرح جذب ہونے سے گھٹتا ہے دمبدم
مٹی کے کچے برتنوں میں رفتہ رفتہ آب
ہوتی ہے یوں ہی اپنی حیات دوروزہ بھی
پابند رنج و راحت و پامال اضطراب
مخزن صدف کا پائے پھر اس تن سے چھوٹ کر
اے کاش میری روح کا یہ گوہر خوش آب

(۳)

فارسی میں

(۱)

درمیان بحر ناپیدا کنارو پر خطر
کشتی خود را ہمی رانم بیک تار طناب
مستمندم باسلامت طے کنم راہ سفر

ایں دعا از من شو و یارب قبول و مستجاب

۲

زندگی لا حاصلم رفت و شدم حیراں مگر
آب بود و جذب شد در کوزہ ہائے تازہ گل
طائر جانم اسیر و خستہ و بے بال و پر
بیفرارم کے برد سوئے نشیمن جذب دل

قطعۂ تاریخ تذکرۂ شعرائے کشمیری پنڈتان المعروف بہ بہارِ گلشنِ کشمیر

(فارسی)

سرود و شعر و نقاشی بود سہ جوہر فطرت
کسے کو بہرہ زیں یک ہم ندارد نیست سامانش
نوائے نغمۂ دلکش کہ قوت روحِ انساں است
تواں دریافت از سازِ حقیقت سوز پنہانش
مصور چوں کشند نقشے زکلکِ رنگ آمیزی
عجب بنود زنوکِ خامہ در پیکر دمد جانش
ز شعرِ روح پرور عالمِ مستی شود پیدا

بوجد و حال آید دل، بود جاں مستِ فیضانش
چناں مستی کہ حُسن و عشق کامل رہنت تفسیرے
زشعر نغز و لطف انگیز باید رنگ امکانش
زروے یاس و حسرت جامۂ تن چاک باید گرد
ہر آنکس راکہ ننگ عاشقی باشد گریبانش
کسے کز نو بہارِ داغ دل محروم ے دارد
سرشکِ لالہ گوں زیبد بجائے گل بدامانش
ازیں ارُو شاعرِ معجز بیاں را افتدارے ہست
کہ موجوداتِ عالم بودہ زیرِ بارِ احسانش
پس آنکس راکہ خواہد بزمِ اہلِ شعر آراید
سزد گر عالمے از یک زباں باشد ثنا خوانش
خوشا وقتے کہ شوقِ ہمتِ مشکل پسند ما
کمر را چست بنمودہ بہ احیائے بزرگانش
پئے تاریخِ سالش بے تامّل زد رقم طالبؔ
بہارِ گلشنِ کشمیر حق آثار عنوانش
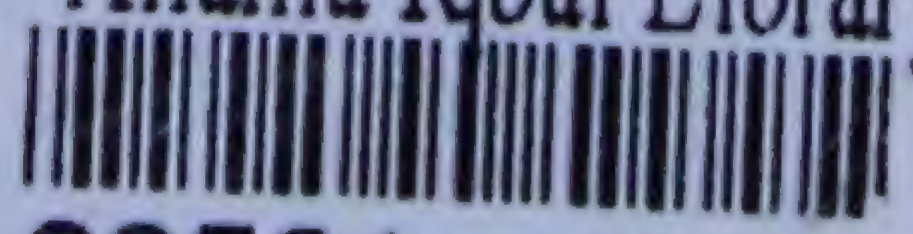
۱۹۸۸ بکرمی

(... نظامی (الیف آر-ایس (لنڈن) نے نظامی پریس بدایوں یو.پی میں چھاپکر شایع کیا)

نوٹ

"مرقع افکار" کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے قارئین سے التماس ہے کہ وہ مندرجہ ذیل اغلاطِ کتابت کی تصحیح فرمائیں:-

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۴	کہ عام	کہ اسے عام	۲۶	۷	دوڑ	دوڑی
فٹ نوٹ	۴	تلوک چند مرحوم	تلوک چند محروم	"	۱۲	دیوار در	دیوار و در
۳	۱	رُجحانات	رُجحانات	۲۷	۶	مزے ہیں	مزے ہیں
"	۹	"	"	۲۹	۵	سوزساز	سوز و ساز
۴	۵	ننیاز	انمیاز	۳۱	۱۱	دہنگ	دہنک
"	۶	زبان اوب	زبان وادب	۳۴	۲	دسنت و در	دشت و در
"	۱۵	پروپراکٹر	پروپرائٹر	۳۷	۴	حربیں	حزیں
۵	۵	دھواندھر	دھورندھر	"	۷	ہیں ہر	ہیں ہے ہر
۶	۷	جا سکیگا	جائیگا	۳۸	۳	کافرس	کافر
۷	۴	ایسے	ایسے	۴۰	۱۲	ہلک	مُلک
"	۱۳	موہن	مومن	"	۱۵	نابدار	تابدار
۱۰	۳	بدلعات	بدیعات	۴۳	۲	پرمردہ	پژمردہ
"	۵	مابہ الامتیاز ہے	مابہ الامتیاز یہ ہے	۴۴	۱۰	فرماں	قربان
۱۶	۳	داع	داغ	"	۱۴	دل کی	دل کے
"	۱۷	لعبیر	تعمیر	۴۶	۱۰	دمسدم	دمبدم
۲۱	۹	آبروئے	ابروئے	۴۷	۹	باغ باغ	داغ داغ
"	۱۲	خوب ہے	خوب ہیں	۵۶	۱۱	گلشن	گلشن
۲۲	۶	ٹکڑا	ٹکڑے	۵۶ فٹ نوٹ	۴	سناس	شناس
۲۳	۱۳	شسنی	شستی	۵۹	"	روح رواں	روح و رواں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۱	۱	ہے	ہے
۶۲	۴	"موتی"	موتی
"سطر ۴ کے بعد یہ مصرعہ شامل ہے"			ہائے ماں نزع میں رو کے پکارے "موتی"
۶۳	۵	تپش	تپش
۶۶	۱۴	شاہد خوشبو	شاہدِ خوشخو
۶۸	۱۵	اور نہ	اور نہ
۷۴	۷	ہے	ہے
۷۹	۲	حاند	چاند
۸۱	۲	اٹھ اٹھ	اٹھ اٹھ
۸۲	۱۵	دھیاق	دھیانی
۸۳	۹	سرحد	سرحد
۸۴	۴	منظلوم	منظوم
۸۵	۵	کولی	کوئی
"	۸	خزالے	خزانے
۸۶	۲	ادھکاری	ادھکاری
"	۱۰	دوق	ذوق
۸۷	۲	بھی	بھی
"	۱۰	مفام	مقام
۹۱	۱۲	مسالک	مسلک
۹۲	۱۵	وقت	دقت
"	"	الجھن	ہم الجھن
۹۳	۳	محصل	تحصیل

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹۴	۱	مقدم	مقدم
"	۵	الہند	انہند
۹۵	۶	رکھے	رکھے
۹۹ فٹ نوٹ	۳	شیخ عبداللہ	شیخ محمد عبداللہ
۱۰۱	۱۰	تفرق	تفریق
"	۱۴	اسر	اسیر
۱۰۵	۱۱	بربادوویران	برباد و ویران
"	۱۶	بدجواہ	بدخواہ
۱۰۶	۱۶	فلاکت	فلاکت
۱۱۰	۶	شیگر	شبگیر
۱۱۱	۴	ہو رہی دھوم	ہو رہی ہے دھوم
۱۱۱ فٹ نوٹ	۴	معیت اوڑھی	معیت ابی اوڑھی
۱۱۲	۲	السے	ایسے
۱۱۳	۱۱	امروز	افروز
۱۱۶	۱۳	ایک	اک
۱۱۷	۱۱	کشمیر اشعار	کشمیری اشعار
۱۱۸	۵	پوشاکِ نو	پوشاک نو
۱۲۱	۱۰	نقاشی	نقاشی
۱۲۲	۱۲	شوق	شوق
"	۱۴	ے تامل	بے تامل